# معارف

ستمبر ۲۰۱۵ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

# سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپئے۔ فی شمارہ ۲۵/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپئے میں دستیاب۔

(اوپر کی رقوم ہندوستانی روپئے میں دی گئی ہیں)

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

سجاد الٰہی صاحب، 27-A لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور (پاکستان)

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

**DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH**

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

## مقالہ نگار حضرات سے التماس

- مقالہ صفحہ کے ایک طرف لکھا جائے۔
- حواشی مقالے کے آخر میں دیئے جائیں۔
- مآخذ کے حوالہ جات مکمل اور اس ترتیب سے ہوں: مصنف یا مؤلف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت، سن اشاعت، جلد یا جزاور صفحہ نمبر۔

---

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر
دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

# معارف

جلد نمبر ۱۹۶ ماہ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ماہ ستمبر ۲۰۱۵ء عدد ۳

فہرست مضامین





دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

# شذرات

''وہ انسان نہیں جو انسان کے کام نہ آئے''۔ان الفاظ کے عملی پیکر حاجی عبدالرزاق اسماعیل کالیسکر صاحب ایک طویل علالت کے بعد ۱۰/اگست کو انتقال کر گئے۔ان کی پیدائش ۱۸/جولائی ۱۹۳۱ء میں ہوئی تھی۔آج تجارت کی دنیا میں الرصاصی پرفیوم کا بڑا وقار ہے۔دنیا کے مختلف حصوں میں اس کے گیارہ سو سے زیادہ اسٹور قائم ہیں۔اس عظیم تجارتی امپائر کو قائم کرنے والے مرحوم حاجی عبدالرزاق صاحب کے انداز واطوار میں ایسی درویشی اور خاکساری کی شان پائی جاتی تھی کہ دیکھنے والے کو یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ اتنے بڑے اور اتنے کامیاب تاجر تھے اور اتنا بڑا کاروباران کا اپنا کھڑا کیا ہوا تھا۔ایک چھوٹی سی ابتدا سے تجارت کی دنیا میں جن بلندیوں تک وہ پہنچے وہاں تک کم ہی لوگ پہنچ پاتے ہیں۔اس نعمت کی شکر گذاری کا حق انہوں نے جس طرح ادا کیا اس کی توفیق تو بڑے خوش قسمت لوگوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔سچی دین داری،ملی دردمندی،غیر معمولی تواضع،انکسار اور خاکساری کی ایسی روشن مثال مادیت کے اس دور میں ملنی مشکل ہے۔ان کی ذات سے کتنے اداروں اور افراد کو فیض پہنچا اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔خاص بات یہ ہے کہ فیض عام تھا اور کسی خاص مسلک،گروہ یا حلقہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔خدمت خلق ان کا مشن تھا اور اس میں کسی طرح کی تفریق کے وہ روادار نہیں تھے۔اس کی ایک بڑی واضح مثال گجرات میں زلزلہ کے متاثرین کے لیے ان کا بہت بڑے پیمانے پر امدادی کام تھا۔جس کو ان سے ایک بار بھی ملنے کا اتفاق ہوجاتا وہ ان کے اخلاق کریمانہ کا اسیر ہوجاتا۔ایسے لوگوں کو دیکھنے کو تو اب آنکھیں ترستی ہیں۔

---

بے شمار اداروں اور افراد کے علاوہ جن کی وہ مختلف طریقوں سے مدد کرتے تھے کئی بڑے اور دوررس اہمیت کے حامل پروگرام ایسے ہیں جو براہ راست ان کی نگرانی میں چلتے تھے۔ان کاموں کی نگرانی اور ان کو منظم طریقہ سے چلانے کے لیے انہوں نے کئی ادارے قائم کر رکھے تھے۔ان میں الحمد میڈیکل اینڈ ریسرچ فاؤنڈیشن،ممبئی،اے۔ای۔کالیسکر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ،ممبئی اور فیروس ایجوکیشنل فاؤنڈیشن ممبئی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔راقم کو فیروس فاؤنڈیشن کی کارکردگی کا کسی قدر اندازہ ہے۔چند سال پہلے مجھ کو اس کے ایک پروگرام میں شرکت کرنے کا موقع ملا تھا اور اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔یہ ادارہ کوکن اور گوا کے اسکولوں اور کالجوں میں گذشتہ پندرہ سال سے دینی تعلیمی اسکیم چلا رہا ہے اور اس کے بہت اچھے اور مثبت نتائج سامنے آرہے ہیں۔اس وقت اس اسکیم کے تحت ۷۸ اداروں میں کام ہورہا ہے۔ان

اداروں میں فاؤنڈیشن کی طرف سے دینیات کی تعلیم کے لیے اساتذہ فراہم کیے جاتے ہیں اور ان کی لائبریریوں کے لیے دینی کتابیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ فاؤنڈیشن کی نگرانی میں اردو اور انگریزی زبانوں میں دینیات کا ایک معیاری نصاب بھی تیار کرایا گیا ہے۔ یہ ایک بہت اہم پہل ہے اور ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس انداز پر کام ہونا چاہیے۔ جدید تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہماری نئی نسل کو اپنے دین اور تہذیب کے بارے میں باشعور بنانے کے لیے اس قسم کے اقدامات وقت کی ضرورت ہیں۔ اسی طرح الحمد ٹرسٹ کی زیر نگرانی دوسرے کاموں کے علاوہ مختلف علاقوں میں خدمت خلق کے لیے اسپتال چلائے جاتے ہیں۔ حاجی صاحب کو انجمن اسلام سے بڑا گہرا قلبی تعلق تھا۔ اس کے قدیم طلبہ کو انھوں نے پہلے زمین خریدنے کے لیے خطیر رقم فراہم کی۔ بعد میں وہاں پالی ٹکنک کالج، فارمیسی کالج اور انجینئرنگ کالج قائم کرنے کے لیے کم وبیش ۴۵ کروڑ کا سرمایہ فراہم کیا۔ مرحوم دارالمصنفین کے بڑے قدرداں تھے۔ برسوں پہلے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے وہ خود یہاں آئے تھے اور اس وقت بعض اہم کتابوں کی اشاعت کے لیے وسائل بھی فراہم کیے تھے۔ جب دارالمصنّفین کی تعمیر نو کا کام شروع ہوا اور اس کے لیے وسائل کی فراہمی کے مقصد سے راقم نے دبئی کا سفر کیا تو ان سے بھی ملاقات کی۔ بعد میں بھی ان سے ایک بار اور ملاقات کا موقع ملا۔ ان ملاقاتوں کا نقش اب تک دل پر قائم ہے۔ ایسی سادگی اور خاکساری تو عام آدمیوں میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔ ان کے تعاون سے بہت مشکل حالات پر قابو پانے میں مدد ملی۔ ان کی باقی رہنے والی نیکیوں میں ان کی لائق اولاد بھی ہے جو ان کے اچھے کاموں کو اسی عزم اور حوصلہ سے قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اللھم ارحمه وادخله فسیح جناتك۔

---

شبلی صدی سال کی مناسبت سے رسائل اور مجلّات کے خصوصی نمبروں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ کچھ پہلے تک جو خاص نمبر اور گوشے شائع ہو چکے تھے ان کی تفصیل ان صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔ گذشتہ دنوں تین مجلّات نے اس موضوع پر بہت اہم خصوصی نمبر شائع کیے۔ ان کی کسی قدر تفصیل پیش خدمت ہے:

۱۔ صحیفہ: مجلس ترقی ادب، لاہور، صفحات ۲۰۷۔

یہ صحیفہ کا جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۴ء کا مشترکہ شمارہ ہے لیکن ابھی گذشتہ دنوں منظر عام پر آیا ہے۔ اس میں نئی تحریریں کم ہیں لیکن اس موضوع پر پرانی اور بہت اہم تحریریں جو النادر کالمعدوم کے حکم میں شامل

ہو چکی تھیں اور وقت کی گرد کے نیچے دب کر آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھیں ان کو بڑی محنت اور کوشش سے تلاش کر کے بہت سلیقہ سے جمع کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک بہت وقیع اور مفید مجموعہ تیار ہو گیا ہے۔ مولانا عبداللہ عمادی کا مضمون ''آفتاب علم غروب ہو گیا'' پہلی بار اس مجموعہ کے ذریعہ سامنے آیا ہے۔ اسی طرح شعرالعجم کے ایک باب ملک الشعراء ابو طالب پر جناب محمد سلیم اختر کے حواشی سے اندازہ ہوا کہ کتنی محنت اور دقت نظر سے یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔ جب پورا ہو جائے گا تو ایک بڑا کام ہوگا۔ نوادر شبلی اور علامہ شبلی کی کئی تصنیفات اور ان کے تراجم کے پہلے ایڈیشن کے ٹائٹل پیج کا عکس بھی اس کے امتیازات میں شامل ہے۔ اس مجموعہ میں شامل زیادہ تر مواد مختلف کتابوں اور رسائل سے ماخوذ ہے۔ ان میں معارف اور دارالمصنّفین کی مطبوعات بھی شامل ہیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس بات کا کہیں کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ اس مجموعہ میں شامل مقالات کہاں سے ماخوذ ہیں۔ یہ اس مجموعہ کی ایک بڑی کمی ہے۔

۲۔ سہ ماہی فکر و نظر: علی گڑھ، مارچ ۲۰۱۵ء، صفحات ۲۰۶۔

حالی اور شبلی پر فکر و نظر کے الگ الگ خصوصی شمارے بہت پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے باوجود موقع کی مناسبت سے دونوں بزرگوں پر یہ مشترکہ خصوصی شمارہ شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ یہ فکر و نظر کا امتیاز ہے اور دونوں بزرگوں کے علی گڑھ سے خصوصی تعلق کا اعتراف۔ اس خصوصی شمارہ میں مولانا حالی اور علامہ شبلی دونوں پر مضامین شامل ہیں البتہ علامہ شبلی پر مقالات کی تعداد زیادہ ہے۔

۳۔ مجلة الهند، الجزء الثانی بمناسبة مرور مأة عام علی وفاة العلامه شبلی: مولانا آزاد آئیڈیل ایجوکیشنل ٹرسٹ، لال پور، بنگال، صفحات ۵۸۱۔

اس سے پہلے اس مجلہ کا اسی موضوع پر سات سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل خصوصی نمبر شائع ہو چکا ہے۔ یہ اس کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں پہلے حصہ ہی کی طرح موضوع زیر بحث پر بہت قیمتی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ عربی زبان میں علامہ شبلی کی کئی کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں لیکن ان کی کئی دوسری کتابوں اور مقالات سے عرب دنیا ابھی ناواقف ہے۔ جو ترجمے ہوئے ہیں ان میں سے کئی غیر معیاری ہیں۔ مزید براں عربی زبان میں اس موضوع پر ابھی کچھ زیادہ کام نہیں ہوا ہے۔ ان دونوں جلدوں سے بہت حد تک یہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ علامہ شبلی کی شخصیت اور افکار پر بہت سے مقالات کے عربی ترجمہ کے علاوہ علامہ کی کئی تصنیفات کے تراجم بھی اس میں شامل ہیں۔

## مقالات

# تہذیب قوم ادریسؑ

## معدوم تہذیبوں کی تاریخ پر زیر قلم کتاب کا ایک باب

جناب محمد طارق غازی

**علوم ادریسی کا ایک جائزہ:** جو کچھ ان نو مستند تفاسیر میں اور ان کے حوالوں کی تفسیروں میں بیان کیا گیا ہے اور دیگر اہم تفاسیر میں بھی کم و بیش یہی تفصیلات دی گئی ہیں۔ ان تفاسیر اور حبشی توحیدی کلیسا کے مصحفہ اخنوخ کے متوازی مطالعہ سے حضرت ادریسؑ کے بارے میں چند امور متعین ہوتے ہیں:

وہ حضرت آدمؑ کے بعد پہلے رسول تھے، یعنی ان کو شریعت دی گئی تھی۔ ان پر ۳۰ صحائف نازل ہوئے تھے۔

انہیں اللہ تعالیٰ سے خصوصی قربت تھی اور دربار ربانی میں ان کا مقام بلند تھا۔ مصحفہ اخنوخ کے مطابق انہیں خواب میں معراج بھی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے راست کلام بھی کیا تھا۔

وہ اللہ کے نبی ہونے کے ساتھ بہت بڑے سائنس داں، موجد اور مہندس بھی تھے، مختلف مادی علوم عناصر پر ان کی گہری نظر تھی۔ کئی علوم کے موجد و بانی تھے۔

وہ طبیب تھے اور علم امراض، علم الابدان و فن طب کے بانی تھے۔

انھوں نے انسانوں کی بولی کو باقاعدہ تحریری زبان کا درجہ دیا۔

قلم ایجاد کیا، اور اس کے ساتھ دوات، روشنائی اور تختی ایجاد کی۔

سوئی ایجاد کی اور اس سے کپڑے سینے کا فن مرتب کیا۔ سلا ہوا لباس خود بھی پہنا اور دوسروں کو بھی پہنایا۔

---

ڈائریکٹر: اُمم سٹڈیز ہاؤس (USH)۔ ٹورانٹو۔ کینیڈا

معیشت کا نظام مرتب کیا، بازار بنائے، ناپ تول کے پیمانے، ترازو باٹ، وغیرہ ایجاد کیے۔

نظام معیشت شہد کے چھتہ کی مانند ہوتا ہے۔ اسے فطرت کے اصول کے مطابق بڑھنے دیا جائے تو چھتہ اور شہد کمیت اور کیفیت دونوں میں بڑھتے ہیں اور دونوں کے منافع بے شمار ہیں، مگر شہد کی مکھیوں کو ذرا چھیڑا اور ان کے کام میں خلل ڈالا تو پھر پورا نظام تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اصول فطرت سے روگردانی کے نتیجہ میں اقتصادی نظام گڑبڑ ہو جاتا ہے اور سارا معاشرہ بربادی کے راستہ پر چل پڑتا ہے۔ حضرت ادریسؑ نے ناپ تول کے پیمانے بنائے، ترازو باٹ وغیرہ ایجاد کئے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یا تو ابھی اولاد آدم میں معیشت کا کوئی تصور پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور حضرت ادریسؑ نے پہلی بار اسے ایک نظام میں مرتب کر کے انسانوں کو دیا یا ایسا کوئی نظام تو مرتب ہو چکا تھا مگر اس مروجہ نظام معیشت میں بد دیانتی، دھوکہ فریب، بے انصافی کے امراض پھیل گئے تھے، تاجروں اور صنعت گروں کے ظلم و ستم اور استحصال کی چکی میں عام آدمی پس رہا تھا۔ اس ظالم قوم کے مغرور امیروں اور فریبی تاجروں کے خلاف جہاد کے اعلان سے پہلے اتمام حجت کے لئے ضروری تھا کہ ایک متوازن نظام معیشت کے اسباب فراہم کر دئے جائیں۔ اس معاشرتی کیفیت کو دوسرے رخ سے دیکھا جائے تو تجزیہ میں یہ بات آتی ہے کہ اس قوم نے تجارت و صنعت کو غیر معمولی فروغ دے لیا تھا یہاں تک کہ تاجروں اور صناعوں کے پاس سونے چاندی کے ڈھیر لگ گئے اور وہ عالی شان محلات اور بڑی حویلیوں میں رہنے لگے تھے جنہیں غریب طبقہ سے بیگار میں بنوایا جاتا تھا (مصحفہ ۹۹: ۱۳)۔

**اسلحہ اور جہاد کے بانی:** اسلحہ ایجاد کیا اور بنی قابیل کے کفار کے خلاف جہاد کیا۔ مصحفہ اخنوخ (۱۷: ۳) میں اور دیگر مقامات پر ایمان کے دشمنوں کے خلاف تلوار کے استعمال کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ تلوار بھی حضرت ادریس ہی کی ایجاد تھی اور انہوں نے ہی جہاد میں اس کا سب سے پہلا استعمال کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ادریسؑ سے پہلے جنگ کوئی باضابطہ فن نہیں تھی۔ مگر جب ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی غرض سے تلوار ایجاد کی گئی تو ظاہر ہے اس کے موجد نے شمشیر زنی کا فن بھی مرتب کیا، اپنے پیرؤوں کو اس کی تربیت بھی دی اور پینترے بھی بتائے۔

علم نجوم اور حساب میں گہری نظر تھی۔

مولانا مفتی محمد شفیع نے امام ابوحیان اندلسی کی تفسیر بحر المحیط کے حوالہ سے ان دونوں علوم

کو حضرت ادریس کے معجزات میں شمار کیا ہے۔ معجزاتی طور پر یہ علوم حاصل ہونا عین ممکن ہے۔ حضرت ادریسؑ خود بھی اعتراف کرتے ہیں (مصحفہ ۴۷:۲) کہ مقدس فرشتے عزرائیلؑ نے ان کو چاند، سورج اور دیگر تمام ستاروں اور سیاروں کے مقامات دکھائے تھے اور اس مشاہدہ کی بناء پر چاند کی ماہانہ گردش کے قوانین انہوں نے دریافت کئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس کا اشارہ ملتا ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ اللّٰهِ (التوبہ ۹:۳۶)

بے شک اللہ کی کتاب (یا قانون) میں اللہ کے نزدیک (قمری) مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ادریسؑ نے وحی الٰہی سے سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کیا تھا۔ اصولی طور پر حضرت آدمؑ کو عطا کردہ علم الاسماء کا شعوری مشاہدہ اور اشیاء کے تجزیاتی تجربہ سے نئے علوم کو حاصل کر لینے کی استعداد عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا کے کلمہ کے ساتھ انسان کی فطرت میں ڈال دی گئی تھی اس لئے دنیا کے پہلے رسولؑ کے لئے ان علوم کی ایجاد بجائے خود حضرت ادریسؑ کی فضیلت کی دلیل ہے۔ امام بیضاوی نے ان پر دینی اور دنیوی انعامات کا ذکر کیا ہے۔ دنیوی انعامات کے تحت طبیعیاتی علوم میں دست گاہ ازخود آگئی۔ مصحفہ میں وہ خود قلب و عقل اور قوت فہم (مصحفہ ۱۴:۲۔۳) کو اللہ کا انعام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں عقل کے ذریعہ انسان گرمائی دھوپ میں سایہ تلاش کرتا ہے اور دھوپ میں تپتے ہوئے پتھروں پر چلنے سے اجتناب کرتا ہے (مصحفہ ۴:۱)۔

**فلکیات پر پہلی تحقیقات:** مصحفہ میں حضرت ادریسؑ کی ان ایجادی صلاحیتوں کا مزید بیان بھی آتا ہے جن کا ذکر مفسرین قرآن حکیم نے نہیں کیا اگر چہ یہ باتیں ان تفاسیر کے نکات کی تشریحوں میں آسکتی ہیں۔ ان میں نجوم و حساب کا باہمی تعلق اور ان کے امتزاج سے پیدا ہونے والے نئے علوم کی دریافت حیرت کا باعث نہیں ہے۔ نجوم یا فلکیات کا علم بنیادی طور پر حسابی علم ہے۔ سیاروں اور اجرام فلکی کی گردشیں، ان کا طلوع و صعود، زوال و غروب اور اس سے زمین اور اہل زمین پر پڑنے والے مختلف النوع اثرات، اجرام فلکی کے باہمی خطوط ربط کی پیمائش سب حسابی کرشمے ہیں۔ مصحفہ ۲ اخنوخ (کتاب الاسرار ۲۳:۱) کے مطابق حضرت ادریسؑ کو یہ علم منامی معراج کے دوران بحکم الٰہی فرشتہ فراوئیل کے واسطے سے حاصل ہوا تھا۔ مصحفہ اخنوخ (۲:۱ تا ۵:۸) میں وہ اپنی قوم کو مظاہر سماوی و ارضی میں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

حضرت ادریسؑ نے سورج کو دو نام عرجاس اور توماس دیئے تھے، چاند کو اس کی چار منزلوں (ہفتوں) کے مطابق اسونیا، عبلہ، بنیسہ اور عرائے نام دئے نیز دو بہت بڑے روشن سیاروں کا ذکر کیا جن کا محیط آسمان جتنا بڑا ہے اور دونوں کا حجم ایک جیسا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کون سے سیارے تھے۔ لیکن آسمان جیسے محیط کا اشارہ قابل توجہ ہے۔ کھلی آنکھوں کسی ایسے عظیم الجثہ سیارہ یا ستارہ کی رویت ممکن نہیں جس کے محیط کے لئے آسمان کا استعارہ استعمال کیا جائے۔ تو کیا یہ دوربین کی قسم کا کوئی مشاہدہ تھا؟ اس کا امکان یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ادریس نے چاند کے سفر اور منازل قمر کی جو تفصیلات مصحفہ میں بیان کی گئی ہیں وہ کھلی آنکھ مشاہدہ سے ممکن نہیں۔ مصحفہ میں ہے کہ حضرت ادریسؑ نے منازل قمر کی حسابی پیمائش کر کے بتایا کہ ہلال پورے چاند کا چودھواں حصہ ہوتا ہے، نیز تین ماہ تک وہ ۳۰ دن پورے کرتا ہے اور تین ماہ تک ۲۹ دن کا دور کرتا ہے۔ (مصحفہ ۷۷: ۶ ۔ ۱۷)۔ ان مظاہر کے مشاہدہ اور پیمائشوں کے بعد مصحفہ (۲: ۱ ۔ ۳) میں قوم کو ہدایت ہے: جو کچھ آسمان میں وقوع پزیر ہے اس کا مشاہدہ کرو، کیسے وہ (اجرام) اپنا مدار نہیں بدلتے (اور) روشن ستارے جو آسمان میں ہیں کس طرح ہر موسم میں طلوع و غروب ہوتے ہیں، اور متعین نظام سے روگردانی نہیں کرتے۔ اور دیکھو زمین کو اول سے آخر تک، غور کرو ان اشیاء پر جو اس پر واقع ہوتی ہیں (وہ کیسے ثابت قدم ہیں)، کیسے زمین پر موجود کوئی شے تبدیل نہیں ہوتی (مگر) سب اللہ کا کام (تم پر) ظاہر ہو جاتا ہے۔ فلکیات کی یہ باریکیاں بھی ظاہر کرتی ہیں کہ اس قوم کے پاس رصدگاہ کا کچھ نہ کچھ سہولت موجود تھی۔

مزید ہدایت کی جا رہی ہے کہ دیکھو گرما اور سرما کو، کیسے زمین پانی سے لبریز ہے، اور بادل اور شبنم اور بارش اس پر گرتی ہیں۔ مصحفہ کی ان آیات میں مشاہدہ، تجربہ اور تجزیہ کی راہ سے اللہ کی قدرت کے مظاہر کو سمجھنے کا صاف حکم دیا جا رہا ہے۔ مصحفہ (۳: ۱) میں مزید ہے: غور کرو اور دیکھو کیسے (سرما میں) تمام درخت لگتا ہے، جیسے قوت کھو بیٹھے اور ان کے پتے جھڑ گئے، سوائے ۱۴ درختوں کے جو اپنا سبزہ نہیں کھوتے بلکہ دو تین سال تک اس سبزہ کو باقی رکھتے ہیں تا آنکہ نئے پتے نکل آئیں۔ مصحفہ (۴: ۱) میں پھر توجہ دلائی گئی: اور پھر غور کرو گرمی کے دنوں پر جب سورج زمین کے سامنے اس کے اوپر ہوتا ہے۔ اور سورج کی گرمی کی وجہ سے تم سایہ ڈھونڈتے ہو، اور بڑھتی ہوئی گرمی سے زمین بھی جھلستی ہے تو تم زمین پر چل نہیں سکتے، نہ کسی چٹان پر کیونکہ وہ تپ رہی ہے۔ موسم گرما میں سورج کا

زمین کے اوپر ہونا تو عام مشاہدہ کی بات ہے، لیکن خصوصیت سے اس کا ذکر محور پر زمین کے جھکاؤ کی وجہ سے موسموں کے تغیرات پر توجہ مبذول کرواتا ہے۔ یہ مشاہدہ سے زیادہ بڑی بات ہے۔

**موسموں اور دن رات کا حساب:** یہ مضمون بھی حضرت ادریسؑ کی ایجاد ہے۔ انہوں نے مصحفہ کے مکمل باب ۷۶ میں ہواؤں کے نظام ان کے راستوں اور سمتوں اور موسموں پر بھی غور کیا اور ان کی تفصیلات بیان کیں، اور حساب لگا کر بتایا کہ بارہ قسم کی ہوائیں بابرکت ہیں اور خوش حالی لاتی ہیں اور آٹھ ہوائیں تکلیف دہ ہیں اور زمین پر تباہی، بربادی اور طوفان آب و باراں لاتی ہیں۔ اس باب کے آخر میں اپنے صاحب زادے کو مخاطب کرتے ہیں کہ ''اے میرے بیٹے متوشلح، میں نے آسمان کے بارہ ابواب اور زمین کے چار ربعوں (سمتوں/ اقلیموں) کا بیان مکمل کر دیا اور ان کی وباؤں اور منافع کے قوانین سب تجھ کو دکھا دیئے'' (مصحفہ ۷۶: ۱۴)۔

حضرت ادریسؑ نے یہ بھی بتایا کہ مشرق میں سورج کے طلوع کے چھ دروازے ہیں اور اسی طرح غروب کے بھی چھ گوشے ہیں (مصحفہ ۷۲: ۲-۳)۔ اس وجہ سے موسموں کے دوران دنوں کی گھٹتی بڑھتی مدت کا تعین بھی انہوں نے کیا تھا اور اس کی پیمائش اپنے صحیفہ میں لکھ دی تھی۔ مصحفہ میں طلوع و غروب کے تمام دروازوں سے سورج کی گردشوں کا تفصیلی بیان آتا ہے۔ مثلاً سورج تیس دن تک مشرق میں چوتھے دروازہ سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں چوتھے دروازہ میں ڈوب جاتا ہے، پھر اگلے تیس دن تک پانچویں دروازہ سے طلوع ہوتا ہے اور پانچویں دروازہ میں غروب ہونے لگتا ہے۔ تب دن زیادہ لمبا ہو جاتا ہے؛ پھر دن رات کی مدت یکساں ہو جاتی ہے؛ پھر دن چھوٹا ہونے لگتا ہے اور رات طویل ہو جاتی ہے؛ یہاں تک کہ سورج گھوم کر پھر پہلے دروازہ سے طلوع ہونے لگتا ہے اور راتیں بڑی ہونے لگتی ہیں (مصحفہ ۷۲: ۹-۲۶)

مصحفہ میں کئی مشرقوں اور کئی مغربوں کا ذکر ملتا ہے۔ ہماری اپنی زبان میں ایک مشرق اور ایک مغرب کا تصور پایا جاتا ہے۔ تاہم قرآن حکیم شمال اور جنوب کی حد تک تو ایک کے عدد پر اکتفا کرتا ہے مگر مشارق و مغارب کی کثرت کا اعلان کرتا ہے:

فَلَآ أُقۡسِمُ بِرَبِّ ٱلۡمَشَٰرِقِ وَٱلۡمَغَٰرِبِ (المعارج ۷۰: ۴۰)　　قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔

یہ سائنسی حقیقت آج سب جانتے ہیں کہ اپنے محور پر زمین کے زاویہ کی وجہ سے سال بھر طلوع وغروب آفتاب کی سمت کا زاویہ بدلتا جاتا ہے۔ حضرت ادریسؑ نے سال کے بارہ مہینوں میں اس فرق کا بڑا باریک حساب لگا کر طلوع وغروب کے بارہ دروازوں (زاویوں، مشرقوں اور مغربوں) کا تعین کیا تھا۔ صحیفہ میں منازل قمر کا بھی ایسا ہی نہایت تفصیلی حساب درج کیا گیا ہے۔ علم فلکیات کی ان باریکیوں سے طے ہوتا ہے کہ حضرت ادریسؑ کے زمانہ میں علم طبیعیات اور علم ہیئت اور علم الحساب اور علم جغرافیہ کس درجہ ترقی یافتہ تھا۔

قرآن حکیم کی تفاسیر کی روشنی میں مصحفہ کے ان بیانات پر نظر کی جائے تو حضرت ادریسؑ کے علم کی نئی شاخیں اور ان کی غیر معمولی ایجادی استعداد کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ مصحفہ اخنوخ کے باب ۷۴ میں حسابی باریکیوں کا مطالعہ حضرت ادریسؑ کی تہذیب کی عظمت کا سکہ جما دیتا ہے۔ جہاں اس سے خود حضرت ادریسؑ کے علم کی وسعت وعرض کا یقین ہوتا ہے وہاں یہ قیاس بھی غلط نہیں کہ ان کی قوم خود بے حد ذہین اور علم کے اونچے مقام پر فائز تھی۔ ظاہر ہے یہ حسابی تفصیلات کسی ایسی قوم کے سامنے بیان کی جا رہی تھیں جو طبیعیات کا عمدہ فہم رکھتی تھی، اگرچہ ان میں سے بہت سی باتوں سے ناواقف تھی۔

یہ باتیں کسی جاہل اور بے شعور قوم کے سامنے بیان کی جاتیں تو ضائع ہو جاتیں۔ یہ حسابی شرحیں اس قوم کے لئے تھیں جو اِن حسابی معموں کو بخوبی سمجھتی تھی اور ان سے فائدہ اٹھا سکتی تھی، یا اس علم کے مقابل خود اپنے علم کے پندار پر شرمندہ ہو کر ایمان قبول کر سکتی تھی۔

معلوم تاریخ کی رو سے اس دعوے کی دلیل فیثاغورث کا مشہور تھیورم ہے۔ اس یونانی حساب داں کا تھیورم ثابت کرتا ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی قبل مسیح کے عام یونانی بھی علم الحساب میں اعلیٰ فہم رکھتے تھے۔

**موسمیات میں ادریسی علوم:** حضرت ادریسؑ نے ماہر فلکیات کی حیثیت سے اجرام فلکی کے مداروں ان کی روزانہ اور سالانہ گردشوں کے حساب سے زمین کے موسموں کے نظام کی شرح کی۔

گردش افلاک کے تجزیوں سے انہوں نے دنیا کی پہلی تقویم مرتب کی (مصحفہ ۷۳:۱۔ ۸)۔ سورج اور چاند کی گردشوں کی پیمائش اور موسموں کے بار بار عود ونمود کی بنا پر انہوں نے ہلال اور اماوس کا حساب لگا کر ۳۰ دن کا ایک باب (مہینہ) مقرر کیا اور ۳۶۴ دن کے سال کو ۱۲ بابوں اور

تین تین بابوں کے چار ربعات (موسموں) میں تقسیم کیا۔ان کے مشاہدہ میں یہ بات تھی کہ نظام قدرت کے مطابق قمری سال میں موسم کے آغاز اور اختتام کا وقت بدل جاتا ہے۔اس لیے انہوں نے کبیسہ کا قانون بنایا اور اسے بھی نظام قدرت ہی قرار دیا (مصحفہ ۷۵:۱)،یعنی زمین کے گرد چاند کی گردش اور سورج کے گرد زمین کی گردش کا نظام اللہ تعالیٰ ہی نے قائم کیا ہے تو بظاہر اس حساب کا مقصد کاشتکاروں کی سہولت کی خاطر قمری اور شمسی سالانہ دوروں میں موسمی ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔اس سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اپنے فلکیاتی مشاہدوں کی بنا پر حضرت ادریسؑ نے قمری اور شمسی جنتریاں بنائی تھیں اور ان کے باہم فرق کو کبیسہ کا نام دیا تھا۔

انہوں نے ماہر موسمیات اور ماہر نباتیات کی طرح زمین کے موسموں کا حساب سمجھا، سرما و گرما کے مطابق معاشرہ کی ضروریات یعنی سردی و گرمی کے لباس، موسموں کے مطابق فصلوں، پیداوار اور غذاؤں کا تعین کیا۔

**جغرافیہ اور فن جہاز سازی:** موسمیات کے ماہر کو جغرافیہ کا علم ہونا ضروری ہے۔مصحفہ کے باب ۷۷ میں زمین کے پہاڑوں اور دریاؤں کا بیان آتا ہے نیز یہ کہ انہوں نے اپنے رویاء میں سات بڑے دریا دیکھے۔ان میں سے ایک مغرب سے نکلتا ہے اور بحر اعظم میں گرتا ہے۔

یہ جس زمانہ کی بات ہے ضروری نہیں اس وقت موجودہ دور کے تمام دریا اسی طرح موجود ہوں جیسے اب ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ عہد رواں کے سارے دریا نامعلوم زمانوں سے زمین پر بہہ رہے ہیں اگرچہ اپنا راستہ بدلتے رہتے ہیں۔بادی النظر میں آج کل مغرب سے مشرق کی سمت سفر کرنے والے پانچ بڑے دریا ہیں۔گنگا اور جمنا ہندستان میں اور یانگتزی اور دریائے زرد چین میں اور جنوبی امریکہ میں امیزون دریا۔گنگا اور جمنا دونوں یکجا ہوکر ایک چھوٹی سی خلیج بنگال میں گرتے ہیں۔اسی طرح چین کا دریائے زرد بیجنگ کے جنوب میں ایک خلیج میں گرتا ہے۔ان دونوں خلیجوں پر بحر اعظم کا اطلاق نہیں ہوتا۔مصحفہ میں یا تو یانگتزی دریا مراد لگتا ہے جو شنگھائی کے قریب بحر الکاہل میں اتر جاتا ہے، یا اس مد میں دوسرا امیدوار جنوبی امریکہ کا دریائے امیزون ہے جو ایک جغرافیائی نظریہ کے مطابق مغرب میں پیرو کے دریائے منتارو سے شروع ہوکر چار ہزار میل کا سفر کرتے ہوئے مشرق میں برازیل کے ساحل پر بحر اطلس میں جا ملتا ہے۔اس کا اوسط بہاؤ ۲۰۹،۰۰۰ مکعب میٹر فی ثانیہ ہے جو برسات

کے موسم میں بڑھ کر ۳۰۰،۰۰۰ مکعب میٹر فی ثانیہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ادریسؑ نے کہا کہ دو دریا شمال سے نکلتے ہیں اور بحر اَرضین میں بہہ جاتے ہیں۔ غالباً یہ دریا دجلہ وفرات ہیں جو دو زمینوں (اَرضَیْن) جزیرۃ العرب اور فارس کے درمیان ایک خلیج (فارس) میں اتر جاتے ہیں۔ اور کچھ دریا ریگزار میں ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ ارض حجاز کا ذکر لگتا ہے جہاں وادیاں تو بہت ہیں مگر سمندر تک پہنچنے سے پہلے ہی سب ریت میں جذب ہو جاتی ہیں۔ حضرت ادریسؑ نے سات براعظم بھی بتائے، نیز بحری جزائر اور بری سمندروں کی نشان دہی بھی کی (مصحفہ ۷۷: ۴-۸)۔

مصحفہ کے جن ابواب میں کفار اور ظالم لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے وہاں ایک جگہ یہ واضح بیان بھی ہے کہ اس دور میں انسان سمندری جہاز بنا چکا تھا اور ان میں کافی مدت قیام بھی کرتا تھا۔ ایک فقرہ میں کہا گیا ہے کہ ''تمہاری بربادی ہے، اے گناہ گارو، جو سمندروں کے بیچ میں اور خشک زمینوں کے اوپر رہتے ہو'' (مصحفہ ۹۷: ۷)۔ اس سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ سے چار پشت پہلے بحری جہاز سازی کی صنعت ترقی کر چکی تھی۔ حضرت ادریسؑ قوم کے کافروں کو توجہ دلاتے ہیں: ''تم نہیں دیکھتے اپنے جہازوں کے ملاحوں کو، کس طرح ان کے جہاز سمندر کی موجوں میں آگے پیچھے ہچکولے کھاتے ہیں، اور طوفانی ہواؤں کے جھٹکوں سے سخت مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں'' (مصحفہ ۱۰۱: ۴)۔ ممکن ہے یہ بحر اطلس کا ذکر ہو جو افریقہ اور امریکہ کے درمیان پھنسا ہوا دنیا کا سب سے زیادہ طوفانی بحر عظیم ہے۔

**فن تعمیر کی ترقی:** اس تہذیب کی ایک اہم اور قابل ذکر خصوصیت یہ تھی کہ اس وقت انسان گھروں کی عمارتیں بنانے لگا تھا۔ روایات کے بموجب حضرت ادریس کے زمانہ سے پہلے مکانات اور گھروں کی تعمیر ان کے دادا حضرت مہلا لیلؑ کے عہد میں شروع ہو چکی تھی (مصحفہ ۸۳: ۳)۔ اوپر المسعودی (مروج الذہب ۱: ۳۱) کا بیان آچکا ہے کہ حضرت ادریس کے والد کے دادا قینان بن انوش بن شیث بن آدم نے شہروں کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ چنانچہ حضرت ادریس کے دور میں فن تعمیر نے کافی ترقی کر لی تھی۔ قینان سے پہلے انسان کا قیام کوہی غاروں اور خیموں میں تھا۔ مکان اور دروازہ اور اینٹوں اور پتھروں سے گھروں کی تعمیر کے الفاظ مصحفہ اخنوخ میں وارد ہوئے ہیں۔ جب

حضرت عزرائیل اور دیگر چھ بزرگ ملائکہ نے حضرت ادریسؑ کو تکوینیات کا مشاہدہ اور خود لوح محفوظ کا مطالعہ کروادیا ''جس میں بعید ترین نسلوں کے اعمال کی تفصیل تھی جسے حضرت ادریسؑ نے پڑھا پھر انسانی معاصی کی کثرت دیکھ کر رب الصبور کی برداشت کی حمد بیان کی''۔اس کے بعد ''سات قدوسی مجھے لائے اور زمین پر میرے گھر کے دروازہ پر مجھے چھوڑ دیا'' (مصحفہ ۸۱:۵)۔مکان، بستر اور گھر کا ذکر مصحفہ ۲ کی کتاب الاسرار میں بھی آتا ہے کہ منامی سفر معراج پر جانے سے پہلے دو ملائکہ کے کہنے پر ''میں جلدی سے اپنے بستر سے اٹھا، اپنے گھر سے باہر آیا اور دروازہ پر پہنچا'' اور اپنے تین بیٹوں متوشل (متوشلح)، رقیم اور قیداد کو ضروری ہدایات دیں (مصحفہ ۲ اخنوخ ۱:۱۱)۔

کفار و مشرکین اور ظالم و جابر دولتمند گنہگار لوگوں کو عذاب سے ڈراتے ہوئے ایک مقام پر حضرت ادریسؑ نے کہا: ''بربادی ہے ان کی جو دوسروں کی تکلیف دہ بیگار محنت سے اپنے گھر تعمیر کرتے ہیں۔ان کے گھر گناہوں کی اینٹوں اور پتھروں سے بنے ہوئے ہیں (مصحفہ ۹۹: ۱۳)۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی ساتویں نسل آتے آتے معاشرہ میں اینٹیں پکانے کا رواج پڑچکا تھا اور پتھروں کو موزونیت سے تراش کر تعمیر مکانات میں استعمال کیا جانے لگا تھا۔دوسری اہم بات یہ کہ پتھروں کو تراشنے کے فولادی آلات ایجاد ہو چکے تھے، یعنی ایک طرف مختلف دھاتیں دریافت ہو چکی تھیں اور دوسری طرف آلات سازی کے لئے مرکب دھاتیں بنائی جانے لگی تھیں جو تہذیب کے عروج میں معاون ہوتی ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت ادریسؑ کے والد یارد کے زمانہ میں پہلی بار بت تراشے گئے تھے اور بہت سے لوگ اسلام سے پھر کر کفر میں مبتلا ہو گئے تھے (طبری، تاریخ الامم والملوک ۱:۱۴۰)۔یہ روایت بھی ظاہر کرتی ہے کہ بت تراشی کے لئے ضروری آلات جیسے چھینی، ہتھوڑی، آری وغیرہ ایجاد ہو چکے تھے۔جو قوم بحری جہاز بناتی تھی اس کے لئے یہ اوزار بہت معمولی درجہ کی چیزیں تھیں۔

**بنی قابیل کے امیروں کا لباس:** تہذیب کے اعلیٰ یا ادنیٰ مرتبہ کی ایک دلیل کسی قوم کا لباس بھی ہوتا ہے۔تاریخ میں مذکور تہذیبوں میں سے اکثر لباس کے معاملہ میں ترقی یافتہ نہیں تھیں۔ قدیم یونانی، رومی، دوآبی آریہ، مصری عام طور سے چادریں زیریں اور بالائی بدن پر لپیٹ لیتے تھے اور مرد و عورت ان چادروں کو گھنڈی تکمہ سے ورنہ گرہ دے کر باندھ لیتے تھے۔ان تہذیبوں کے مقابلہ

میں قدیم چین اور قدیم فارس میں البتہ باریکی اور نفاست وخوبصورتی سے سلے ہوئے کپڑے پہنے جاتے تھے۔ مؤرخین کے نزدیک یہ ساری تہذیبیں نہایت اعلی اور ترقی یافتہ تھیں۔ بے شک بعض امور میں ان میں سے چند تہذیبوں نے وہ سب کچھ حاصل کرلیا تھا جس کا تذکرہ مصحفہ اخنوخ کے ابواب ۹۷ اور ۹۸ میں عذاب اور تباہی کی وعیدوں میں کیا گیا ہے۔ تاہم لباس کے معاملہ میں متذکرہ بالا قومیں یا تو سنت آدمؑ کے اتباع میں جامۂ احرام پہنتی تھیں؛ یا دین فطرت سے بے نیازی کے باعث ستر پوشی سے بے پرواہ تھیں۔ اباحیت پسند تہذیبوں میں ممکن ہے گناہ کی گنجائش کے خیال سے قومیں بے ستری کے امکانات کھلے رکھتی ہوں، جیسا کہ صدہا سال بعد اٹلی کے شہر پومپی آئی کی تہذیب میں عام دستور تھا۔ ان کے برعکس حضرت ادریسؑ کے دور میں ان کی قوم یا بنی قابیل کے دولت مند طبقہ کا لباس رنگین، بھڑک دار، سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوتا تھا، اور اس قوم کی عورتوں کے مقابلہ میں مرد تکبر کی وجہ سے زیادہ تڑک بھڑک پسند کرتے تھے۔ مَردوں سے راست خطاب کرتے ہوئے مصحفہ اخنوخ کے دو فقروں میں اس زمانہ کے لباس کی خاصی تفصیل بیان میں آتی ہے:

اے مردو! تم عورتوں سے زیادہ سنگھار کروگے اور کنواری لڑکیوں کے مقابلہ میں زیادہ رنگین بھڑک دار لباس پہنوگے، شاہی شان وشوکت، حشم خدم اور طاقت کے مظاہرہ میں سونے چاندی (کے تاروں) سے بنا ہوا اور ارغوانی (لباس)، تکبر کی تڑک بھڑک، اور کھانوں کی افراط جیسے پانی بہتا ہو۔ مگر ان لوگوں کے پاس ایک شے، عقل وحکمت کی روایت، کی کمی ہے۔ (مصحفہ ۹۸: ۲-۳)۔

**زوال تہذیب کے اسباب:** وہ تہذیب نامکمل ہوتی ہے جو اپنے پیروؤں کو یہ نہ بتائے کہ کوئی تہذیب کیوں اور کیسے ختم ہوجاتی ہے۔ یہ کام صرف انبیاء کا ہے یا پھر ان کے سچے تابعین اور مقلدین کا۔ ایسے ذمہ دار لوگ ہر مہذب قوم میں بھیجے گئے تھے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (یونس ۱۰: ۴۷)　　اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد ۱۳: ۷)　　اور ہر قوم کے لئے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں۔

یعنی دنیا میں ایک بھی تہذیب ایسی نہیں گزری جس کو گمرہی سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرنے والے نہ بھیجے گئے ہوں۔ حضرت ادریسؑ نے جہاں حضرت آدمؑ کی علمی میراث کی بدولت دنیا کی پہلی سائنسی اختراعی تہذیب کی بنا ڈالی وہاں اپنی قوم کو یہ بھی بتایا کہ گناہوں کی آزادی

تہذیب کو مار ڈالتی ہے اور تہذیب گزیدہ قوموں پر عذاب کیسے مسلط ہوجاتا ہے۔اس مضمون کے لئے مصحفہ میں ایک باب (۸۰:۲-۸) خاص کیا گیا ہے جس کا طویل عنوان ہے: ''انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے فطرت نیز اجرام فلکی کا انحراف اور اخلاق کا فساد''۔

پورا باب یوں ہے:

۱۔ان دنوں فرشتہ عزرائیلؑ نے مجھے جواب دیا اور مجھ سے کہا، 'سن اخنوخ' میں نے تجھے سب کچھ دکھا دیا اور سب کچھ تجھ پر ہویدا کردیا تا کہ تو دیکھ لے یہ سورج، یہ چاند، اور آسمان کے ستاروں کے رہنماؤں اور ان سب (فرشتوں) کو جو انہیں گردش دیتے ہیں، ان کے فرائض و واجبات، ان کے اوقات اور ان کے سفر۔

اس بیان کے بعد متذکرہ بالا عنوان کے تحت کہا گیا:

۲۔اور گناہگاروں کے دنوں میں سال چھوٹا ہوجائے گا۔ اور ان کی اراضی اور مزارع میں ان کے تخم سست پڑ جائیں گے۔ اور زمین پر ساری چیزیں بدل جائیں گی۔ اور اپنے وقت پر رونما نہ ہوں گی: بارش روک لی جائے گی۔ اور آسمان (اسے) روک لیں گے۔

۳۔اور ان دنوں میں زمین کی پیداوار میں تاخیر ہوجائے گی۔ اور وقت پر پیدا نہ ہوگی۔ اور درختوں کے پھل اپنے وقت سے موخر ہوجائیں گے۔

۴۔اور چاند اپنا نظام بدل دے گا۔ اور اپنے وقت پر نمودار نہ ہوگا۔

۵۔ اور ان دنوں سورج کو دیکھو گے کہ زیادہ بھڑکے گا اور اپنی روشنی کے نظام سے زیادہ تابکار ہوجائے گا۔

۶۔اور بہت سے ستاروں کے فرشتے متعین نظام کو تہہ و بالا کردیں گے اور ستاروں کے مدار اور ان کے واجبات (کے رخ) بدل جائیں گے۔ اور (وہ) اپنے متعین موسم میں طلوع نہ ہوں گے۔

۷۔اور تمام ستاروں کا نظام گناہ گاروں کی نگاہوں سے پوشیدہ کردیا جائے گا۔ اور وہ جو زمین پر ہوں گے ان کے افکار ان (اجرام کائنات) کے متعلق خطا کرنے لگیں گے۔ ان کا دین بدل جائے گا ہاں۔ وہ خطا کریں گے اور ان (اجرام سماوی) کو خدا مان بیٹھیں گے۔

۸۔ اور ان کی بدی ان پر بڑھا دی جائے گی۔ اور عذاب ان پر مسلط ہو جائے گا، اور ان سب کو برباد کر دیا جائے گا۔

مصحفہ کی ان آیات کی دو تعبیریں ممکن ہیں۔ ایک تو بدکار مشرک قوم پر آنے والے عذاب کی وعید اور دوسرے قیامت کی پیش گوئی۔ آیات ۴، ۵، ۶ قیامت کے احوال کی طرف اشارہ کرتی محسوس ہوتی ہیں۔

مصحفہ کا آغاز رسول اللہؐ کی بشارت سے ہوتا ہے حضرت ادریسؑ نے مصطفی (Chosen) اور صادق (Righteous) کو دعا دی جو یوم الکربہ (قیامت کے دن) میں دینداروں کو عاصیوں سے الگ کرے گا، وہ جس کی آنکھیں اللہ کھولے گا اور جو ملکوت کے وہ مناظر دیکھے گا جو میں دیکھ رہا ہوں اور وہ دس ہزار مقدسین کے ساتھ آئے گا۔ (مصحفہ اخنوخ ۱:۱ تا ۹)۔ سیرت رسولؐ اللہ میں آتا ہے کہ پر امن فتح مکہ کے موقعہ پر دس ہزار مقدس بزرگ اللہ کے نبی کے ہم رکاب تھے (حامد الانصاری غازی، اسلام کا نظام حکومت ۵۱۱)۔ حضرت ادریسؑ مصحفہ میں اسی ذیل میں قیامت کا حال بھی مختصراً بیان کرتے ہیں۔

مصحفہ اخنوخ کے یہ فقرے کچھ احادیث نبوی کی یاد دلاتے ہیں۔ متذکرہ بالا فقرات ۲۔ ۳ کی تصدیق حدیث (امام متقی الہندی، کنز العمال ۱۴:۵ ۲۴۔ ح/ ۳۸۵۷۷ نیز در المنشور ۶:۵۲) سے ہوتی ہے کہ بارش کی کثرت کے باوجود غلہ اور پھل کم ہوں گے اور گرمی زیادہ ہوگی، یعنی موسموں کا نظام بگڑ جائے گا اور ماہ و سال میں بے برکتی ہو جائے گی۔

**بنی قابیل میں گناہوں کا رواج:** عمرانی تجربہ بتاتا ہے کہ گناہوں کی وجہ سے فرد ہو یا گروہ سیدھے معاشرہ اور تہذیب سے کٹ جاتا ہے۔ ایسے لوگ اپنا مختلف معاشرہ ضرور بنا لیتے ہیں مگر خطا وعصیان کا احساس ایسے افراد اور گروہوں کو سواد اعظم سے دور رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ معاشرتی فائدوں سے خود کو محروم کر لیتے ہیں۔

اپنے بھائی حضرت ہابیل کو شہید کرنے کے بعد ناشکرا قابیل اپنے اہل وعیال کو لے کر ”عدن کے مشرق کی طرف نود کے علاقہ میں جا بسا“ تھا (توراۃ، تکوین ۱۶:۴)۔ توراۃ کے بیان کے مطابق وہ کافر تو نہیں ہوا تھا لیکن ابنائے آدم کے سواد اعظم سے کٹ جانے کی غلطی اس نے ضرور کی

تھی جس کے نتیجہ میں انسانوں میں سب سے پہلے اسی کی اولاد معاصی میں مبتلا ہوئی۔اس مقام پر بھی رسولؐ اللہ کی ایک اور حدیث یاد آتی ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ ہیں۔حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی دور ہوا وہ اسلام سے باہر نکل گیا یا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال پھینکی (ابن ابی شیبہ، مصنف ۷: ۴۵۱ / ح ۳۷۱۴۴۔ ۳۷۱۵۴)۔حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جو شخص جماعت سے باہر ہوا وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے (ابن ابی شیبہ، مصنف ۷: ۴۵۳ / ح ۳۷۱۵۷)۔

قابیل کے ترک جماعت کے ساتھ اولاد آدم اہل ایمان اور اہل عدوان کے دو واضح گروہوں میں بٹ گئی تھی اور انہی دو گروہوں میں ان کی تعداد بڑھتی رہی۔تاریخی اور روایاتی قیاس یہ ہے کہ اس دور میں اولاد آدم میں اہل ایمان کی تعداد زیادہ تھی اور ان کی ہر نسل میں ایک دین دار بزرگ پیدا ہوتا رہا جو صحف آدمؑ اور صحف شیثؑ کے مطابق قوم کی تربیت کرتا اور لوگوں کو شریعت پر قائم رکھتا تھا۔اولاد آدم تو بہت تھی مگر حضرت شیثؑ کے اسی بابرکت عمود میں علم دین کی سرداری باقی رہی اور اسی میں ابتدائی دور کے انبیاء یا اولیاء اور علماء ظاہر ہوتے رہے۔دوسری طرف بظاہر بنی قابیل بھی انہی بزرگوں اور انبیاء کے مخاطب رہے اور غالباً خود ان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔مفسرین نے ان نسلوں کے جو شجرے بتائے ہیں ان کے مطابق بنی قابیل میں اہل ایمان بھی تھے اور کفار و مشرکین بھی۔خود حضرت ادریسؑ کی والدہ قینوش بنت براکیل اور اہلیہ عربا بنت عزازیل دونوں کا تعلق بنی قابیل سے تھا اور وہ دونوں مومنات تھیں۔

حضرت ادریسؑ کا زمانہ آتے آتے بنی قابیل مادیات کے علم میں بہت آگے بڑھ چکے تھے۔یہ قیاس کچھ غلط نہیں کہ مصحفہ اخنوخ میں جن عام ترقیات کا ذکر آتا ہے ان میں سے کئی کے موجد اور صانع بنی قابیل ہی تھے اور انہی علوم میں ارتقاء کے نتیجہ میں وہ دولت مند ہو گئے تھے اور غرور و تکبر، ظلم و تعدی، بددیانتی اور فریب کاری، دھوکہ دہی، کفر و منافقت جیسے گناہوں میں مبتلا ہوئے۔ان نئی عادات نے شریعت آدمؑ اور سنت شیثؑ کی جگہ بدعات و خرافات کو ہوا دی، چنانچہ معاشرہ کو ایک صاحب شریعت رسولؑ کی ضرورت محسوس ہوئی۔

**علم نافع کی سنت:** قرآن حکیم میں حضرت ادریسؑ کو صابر انسان بتایا گیا ہے:

مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (الانبیاء ۲۱: ۸۵) ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے۔

ان کا صبر بھی مثالی تھا۔قوم کے دولت مند طبقہ کی ایجادی صلاحیتیں علم سے منافع اور افادہ کی روح کھینچ کر اسے انسانیت کے لئے مضر اور نقصان دہ بنا رہی تھیں۔حضرت ادریسؑ نے مفید ایجادات کے ذریعہ مخاطب قوم کو ہدایت کی راہ دکھائی۔انہیں لکھنا پڑھنا، علم کو محفوظ کرنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا؛ انہوں نے وقت کی اہمیت پر اصرار کیا اور ہفتہ، مہینہ، سال کا تعین کیا تاکہ عبادت کا حق ادا ہو سکے؛ انہوں نے موسموں اور فصلوں کا حساب بتایا تاکہ غذائی پیداوار کا معقول نظام قائم ہو اور اناج خودرو گیاہ کی طرح نہ اُگا کرے؛ دھاگہ موجود تھا اور اس کے ساتھ حضرت آدمؑ لوہے کی صنعت ایجاد کر چکے تھے کیونکہ سندان (آہرن)، زنبور اور ہتھوڑا ان کے ساتھ زمین پر نازل ہوا تھا (امام جلال الدین سیوطی، درالمنثو ر ۱: ۱۴۸ و ۱۵۵)، حضرت ادریسؑ نے سوئی ایجاد کی اور سلے ہوئے لباس کا چلن ڈالا (سیوطی، درالمنثو ر ۱: ۱۵۶) تاکہ مکمل ستر پوشی سے عفت و عصمت کا احساس تازہ ہو اور روح و بدن کی پاکیزگی و اخلاق کی طرف معاشرہ کی پیش رفت کا باعث بنے؛ آفاق کا مشاہدہ کر کے اور نجوم و کواکب کی مدام و مسلسل گردشوں کے حسابی گوشوارے اور تقویمیں بنا کر انہوں نے قوم کو توجہ دلائی کہ جس طرح فلک پر نمودار سیارے اپنے خالق کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتے، انسان جیسی ذی شعور اور ذی علم مخلوق کا زیادہ حق ہے کہ وہ اپنے رب کے احکام کی پیروی سے کبھی غافل نہ ہو۔ان تمام صبر آزما کاموں میں برسہا برس لگ گئے تب وہ ایجادات اور اختراعات ہوئیں اور کثیر تعداد میں نت نئے علوم و فنون کے انبار لگے۔

مگر جیسا کہ کفار کا طریقہ رہا ہے، ان طبیعیاتی معجزوں، ایجادات اور علمی کارناموں سے قوم نے کوئی سبق نہیں لیا اور معاشرتی اور دینی گمرہی میں پڑی رہی۔پھر انبیاء کی سنت مستقلہ کے مطابق حضرت ادریسؑ نے انذار کا رخ اختیار کیا یہاں تک کہ مصحفہ میں کئی مقامات پر دنیوی تباہی و بربادی اور قیامت کے حساب کتاب اور کفار کے دائمی عذاب کا ذکر آتا ہے۔البتہ اولاد آدم میں پہلے صاحب شریعت رسول ہونے کے باوجود حضرت ادریسؑ نے بنی قابیل کو عذاب کی بددعا نہیں دی۔ یہاں ایک نکتہ کی طرف توجہ جاتی ہے۔ دنیا کے پہلے صاحب شریعت رسول اور دنیا کے آخری صاحب شریعت رسول کی شخصیتوں میں ایک گونہ خوبصورت ہم آہنگی نظر آتی ہے۔بقول امام ابن

جریر طبری (تاریخ الامم والملوک ۱:۰ ۱۴۰) حضرت ادریسؑ کو بھی اپنے زمانہ میں تمام روئے زمین کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہی وصف رسولؐ اللہ کا بھی ہے۔ رسول اول حضرت ادریسؑ نے قوم کو عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے ڈرایا مگر قوم کے مٹا ڈالنے والے عذاب کی بد دعا نہیں کی۔ خاتم المرسلین نبیؐ الرحمۃ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار و مشرکین کو عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے ڈرایا ضرور مگر ان کے لئے مٹا ڈالنے والے عذاب کی بد دعا نہیں کی۔ انسانیت پر یہ بھی اللہ الرحمان الرحیم کا ایک بڑا بھاری احسان و انعام تھا جس کا نقطہ آغاز حضرت ادریسؑ اور نقطہ اتمام و تکمیل رسولؐ اللہ تھے۔

**اہل زر کے معاصی کی فہرست:** بنی قابیل میں دو قسم کی برائیاں پائی جاتی تھیں: ایک وہ چھوٹی موٹی غفلتیں جن میں وہ عام طور سے مبتلا تھے اور دوسرے بڑے جرائم۔ مصحفہ میں دونوں قسم کے گناہوں کی سخت مذمت ملتی ہے اور تباہی کے عذاب کی تنبیہ بھی کی گئی ہے مگر عذاب دنیا کا وقت ان کی چوتھی نسل میں حضرت نوحؑ کے زمانہ میں آیا۔ اس کے اسباب کا ذکر دنیا کی دوسری تہذیب کے ذیل میں آئے گا۔

بنی قابیل اور قوم ادریس کے کفار پانچ قسم کے بڑے گناہوں اور معاشرتی برائیوں میں مبتلا تھے۔ مصحفہ کے کئی آخری ابواب میں ان گناہوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ ان میں گناہوں میں بے ایمانی اور منافقت، قساوت، ظلم وتشدد، نجاست، جھوٹ، مکر وفریب، دھوکہ، کفر، الحاد، بت پرستی، بدروحوں اور شیاطین کی پوجا، احکام الٰہی سے انحراف، حق باتوں کو بگاڑ کر لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور کفر و الحاد اور باطل کا پروپیگنڈا، بے انصافی اور جھوٹی گواہیاں، بدکاری، سیم وزر اور اناج کی ذخیرہ اندوزی کا تذکرہ مصحفہ کے باب ۹۱ سے باب ۱۰۴ تک میں خاصی تفصیل سے آتا ہے۔

**منافقت اور قساوت وظلم:** ایمان کے ساتھ منافقت کے قریب بھی نہ جاؤ، منافقوں سے دوستی بھی نہ رکھو، اہل ایمان کے ساتھ رہو۔ (مصحفہ ۹۱:۴)

بربادی ہے ان کی جو گناہ اور ظلم وجور کی عمارت بناتے ہیں، دھوکہ فریب پر اس عمارت کی بنیاد رکھتے ہیں۔ انہیں الٹ پھینکا جائے گا اور انہیں کبھی امن وسکون میسر نہ ہوگا (مصحفہ ۹۴:۶)۔

بربادی ہے جھوٹی گواہیاں دینے والوں کی، بے انصافی کو فروغ دینے والوں کی۔ انہیں اچانک عذاب پکڑ لے گا (مصحفہ ۹۵:۶)۔

دنیا میں ظلم وقساوت (violence) میں اضافہ ہوگا (مصحفہ ۹۱: ۵)۔

ظلم اور قساوت کے راستہ پر قدم بھی نہ رکھنا کیونکہ بے ایمانی کا راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے (مصحفہ ۹۱: ۱۹ / ۹۴: ۱)۔

معاصی، بے ایمانی، تشدد اور قساوت، نجاست، فریب دھوکہ، احکام الٰہی سے انحراف، کفر، الحاد، بت پرستی میں ابھی اور اضافہ ہوگا یہاں تک کہ وقت آئے گا جب بتکدوں میں آگ لگے گی (مصحفہ ۹۱: ۶-۱۱)۔

اور وہ جو پوجا کرتے ہیں پتھروں، سونے چاندی اور لکڑی، اور مٹی پر کھودے ہوئے (بتوں کی)، اور وہ جو بدروحوں اور شیاطین کو پوجتے ہیں، اور ہر طرح کے بتوں کو بے علمی کی وجہ سے (معبود مان بیٹھے ہیں)، تو یہ (معبود) ان کی مدد کو نہ آئیں گے۔ اور وہ اپنی بے عقلی کی وجہ سے بے دین اور خوف زدہ ہو جائیں گے، ان کی آنکھوں پر پردے پڑ جائیں گے (مصحفہ ۹۹: ۷-۸)

کفر والحاد کا پروپیگنڈا: تم حق کو بگاڑ کر بتاتے ہو اور ابدی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہو (مصحفہ ۹۹: ۲)۔

بربادی ہے تمہاری، تم اپنے جھوٹ اور ملحدانہ باتیں لکھتے ہو، تاکہ لوگ انہیں سنیں اور پڑوسیوں کو الحاد کی طرف مائل کریں۔ انہیں امن حاصل نہ ہوگا بلکہ مرگ مفاجات انہیں آ پکڑے گی (مصحفہ ۹۸: ۱۵)۔

اب مجھ پر یہ راز کھل چکا ہے کہ گناہگار ہیں جو کلام حق کو کوئی طرح سے تبدیل کریں گے، لفظوں میں ہیر پھیر کریں گے، منہ سے بری باتیں نکالیں گے۔ جھوٹ بولیں گے، بڑے بھاری فریب دیں گے، اور اپنی باتوں پر کتابیں لکھیں گے (مصحفہ ۱۰۴: ۱۰) ۔

تم اپنے جھوٹ پر بڑا فخر کرتے ہو اور اس (جھوٹ) کی تعریف کرتے ہو۔ تم مٹ جاؤ گے، تمہیں زندگی کی راحت نصیب نہ ہوگی (مصحفہ ۹۹: ۱)۔

**بدکاری اور ضلالت:** بدکاری کے راستہ پر مت چلنا، نہ موت کے راستہ پر۔ ان کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے (مصحفہ ۹۴: ۳)۔

بربادی ہے ان کی جو اپنے گھروں میں گناہوں کے اڈے بناتے ہیں۔ ان کی بنیادیں اکھاڑ

دی جائیں گی اورانہیں تہہ تیغ کر دیا جائے گا (مصحفہ ۹۴: ۷)۔

بانجھ پن عورتوں کو قدرتی طور پر نہیں دیا گیا بلکہ وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے بے اولاد مرجاتی ہیں (مصحفہ ۹۸: ۵)۔

بربادی کہ تم گناہوں کے کام کرتے ہو، دھوکہ فریب اور کفر وضلالت میں مبتلا ہوتے ہو، یہی تمہاری بدی کی یادگار رہوں گے (مصحفہ ۹۶: ۷)۔

ایک زمانہ میں غریب اٹھیں گے اپنے بچوں کو لے کر اورانہیں چھوڑ دیں گے اوران کی وجہ سے ان کے بچے ختم ہوجائیں گے۔ ہاں، وہ اپنے بچوں کو ترک کردیں گے جو ابھی دودھ پیتے ہوں گے اوران کے پاس واپس نہیں آئیں گے۔اوراپنے عزیزوں پر رحم نہیں کھائیں گے (مصحفہ ۹۹: ۵)۔

**دولت اور طاقت کا نشہ:** مالدار کافرو،اے سفیہو (مصحفہ ۹۸: ۹)۔ مالداروں کے پاس ایک شئے، عقل وحکمت کی روایت، کی کمی ہوتی ہے (مصحفہ ۹۸: ۳)؛ جولوگ سونے چاندی کے ڈھیر جمع کرتے ہیں ان پر عذاب مفاجات نازل ہوگا (مصحفہ ۹۴: ۷)؛ بربادی ان کی جو بے ایمانی سے سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم اپنے مال اور جائداد کی وجہ سے دولت مند ہیں، اور ہم نے وہ سب حاصل کرلیا جس کی خواہش تھی۔تو آؤ اب وہ سب کام کریں جو ہمارا مقصد ہے، جس کے لئے ہم نے دولت اکٹھی کی ہے۔ ہمارے گھروں میں نوکر چاکر ہیں۔ ہمارے کھلیان اور مخزن سے اناج (کے ذخیرے) پانی کی طرح ابلے پڑ رہے ہیں۔ یادرکھو، تمہارے جھوٹ پانی ہی کی طرح بہہ جائیں گے، تمہاری دولت بھی باقی نہیں رہے گی اوراڑ جائے گی کیونکہ یہ سب بے ایمانی کا پھل ہے۔اورتم پر ایک عذاب الیم نازل ہوگا (مصحفہ ۹۷: ۸-۱۰)؛ بربادی ہو گنہگارو، تم مال وزر کے بل پر ایمان دار نظر آتے ہو، مگر تمہارے دل تمہیں گناہوں کی سزا دیں گے (مصحفہ ۹۶: ۴)؛ بربادی ہے مالداروں کے لئے۔تم کو صرف اپنے مال پر بھروسہ ہے۔تمہاری دولت تمہیں چھوڑ جائے گی۔ کیونکہ تم دولت کے زعم میں رب الاعلیٰ کو بھول گئے (مصحفہ ۹۴: ۸)؛ بربادی کہ خود بہترین گندم کھاتے ہو اور بادیوں میں مشروبات پیتے ہو، اور طاقت کے نشے میں کمزوروں کو روندے ڈالتے ہو (مصحفہ ۹۶: ۵)؛ بربادی کہ تم گناہوں کے کام کرتے ہو، دھوکہ فریب اور کفر وضلالت میں مبتلا ہوتے ہو۔ یہی تمہاری بدی کی یادگار رہوں گے (مصحفہ ۹۶: ۷)؛ بربادی ہے جو اپنے پڑوسی سے

(بھلائی کے بدلہ میں) بدی کرتے ہیں۔ان کو برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا (مصحفہ ۵:۹۵)؛ بربادی ہے ان کی جو دوسروں کی تکلیف دہ بیگار محنت سے اپنے گھر تعمیر کرتے ہیں۔ان کے گھر گناہوں کی اینٹوں اور پتھروں سے بنے ہوئے ہیں (مصحفہ ۱۳:۹۹)؛ میں تنبیہ کرتا ہوں تمہارا خالق تمہیں (منصب سے) معزول کردے گا (مصحفہ ۱۰:۹۴) قیامت کے دن بادلوں، کہرے، شبنم اور بارش کو گواہیوں کے لئے طلب کیا جائے گا) کیونکہ انسانوں میں گناہ پھیل جانے کی وجہ سے انہیں بستیوں پر اترنے سے روک دیا گیا تھا اور وہ انسانوں کے گناہوں سے واقف تھے (مصحفہ ۱۱:۱۰۰)۔

**ظلم وتعدی کا انجام:** میں پھر قسم کھاتا ہوں، اے گنہگارو، کہ گناہ کا نتیجہ کبھی ختم نہ ہونے والی خوں ریزی ہے (مصحفہ ۶:۹۹)۔بربادی، طاقت ور لوگو، طاقت کے نشے میں تم اہل ایمان کو ستاتے ہو ظلم ڈھاتے ہو۔تمہاری تباہی کا دن آرہا ہے (مصحفہ ۸:۹۶)؛ بربادی ہے ان گنہگاروں کی جو اہل ایمان پر ظلم وتعدی کرتے ہیں۔ان کی بے انصافی کی وجہ سے ان پر بھی ویسا ہی ظلم کیا جائے گا۔ان کی گردنوں پر جوا ڈال دیا جائے گا (مصحفہ ۷:۹۵)؛ اہل ایمان، پرامید رہو، اہل ایمان کو ان (ظالموں) پر تسلط دیا جائے گا (مصحفہ ۱:۹۶)؛ اہل ایمان (تمہاری) دعائیں عدل کے لئے تمہارے سامنے آئیں گی، کیونکہ تمہاری ساری تکلیفیں تمہارے حکمرانوں پر اور تمہیں لوٹنے والے ان کے مددگاروں پر پلٹ پڑیں گی (مصحفہ ۳:۱۰۴)؛ مالدارو، تم کفر اور معاصی میں مبتلا ہو۔تم کو قتل کیا جائے گا۔(دائمی) تاریکی تمہیں گھیر لے گی (مصحفہ ۹:۹۴)؛ تم اپنے گناہوں سے محبت کرتے ہو اور پھر امید رکھتے ہو کہ تمہارا بھلا ہوگا۔مگر جان لو تمہیں اہل ایمان کے حوالہ کردیا جائے گا جو تمہاری گردنیں کاٹ ڈالیں گے اور تمہیں قتل کردیں گے اور تمہارے ساتھ رحم کا برتاؤ نہیں کریں گے۔تمہارے لئے قبریں نہیں کھودی جائیں گی (مصحفہ ۹۸: ۱۲-۱۳)؛ کفار آپس میں قتال و جنگ کریں گے یہاں تک کہ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی (مصحفہ ۱:۱۰۰)۔

مصحفہ اخنوخ کے ان فقروں سے تہذیبوں کے زوال کے عناصر واسباب کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔مورخین عموماً اخلاقی حالت کی خوبی اور خرابی کو تہذیبوں کی تشکیل وتخریب کے عوامل کے طور پر قبول نہیں کرتے اور مختلف زاویوں سے عروج وزوال کے مادی اسباب کا مطالعہ کرتے

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عام طور سے زوال کا سفر شروع کرنے والی قوموں کی آخری چمک میں اس کے عروج کے اسباب تلاش کرتے ہیں۔ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہو اور گھپ اندھیرا ہو تو آسمان پر تڑپتی کڑکتی بجلی کی روشنی میں آرنلڈ ٹائن بی کی تاریخ عالم کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا۔

**بنی آدم میں پہلا قومی زوال:** بنی آدم میں حضرت ادریسؑ پہلے شخص تھے جنھوں نے کفر و شرک اور ظلم و فساد کے خلاف جہاد کی سنت قائم کی۔ مصحفہ اخنوخ میں کفار و مشرکین سے جہاد کا راست بیان تو نہیں ملتا، البتہ اوپر مذکورہ کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین برسر اقتدار اور حاکم وقت تھے، بہت مال دار تھے، ان کے پاس کھیت کھلیان اور اناج کے مخازن، عالی شان مکانات، نوکر چاکر، حشم خدم، سب کچھ تھا۔ کاروبار بھی کرتے تھے اور صناعی بھی آتی تھی۔ مختلف قسم کی چیزیں بنانے لگے تھے۔ ان تمام خوبیوں پر سہاگہ یہ تھا کہ اہل ایمان پر ظلم و ستم اور تشدد و قساوت کی روایت بھی اسی قوم نے قائم کی تھی۔ اسی ظلم و تشدد کے جواب میں انہیں تنبیہ کی گئی کہ ان کی جانوں کو مومنوں کے حوالہ کر دیا جائے گا اور ان کی گردنوں میں طوق غلامی ڈال دیا جائے گا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ حضرت ادریسؑ نے بنی قابیل کے سرکش لوگوں کو قید کر دیا تھا اور ان کی گردنوں میں طوق غلامی ڈال دیا تھا۔ بظاہر مالدار لوگوں کو غلام بنا لینا ہی اس بدکار قوم پر عذاب تھا۔

مصحفہ اخنوخ کی علمی اور تاریخی ثقاہت کا جو بھی درجہ ہو، بظاہر یہی انسانوں کی سب سے پہلی کتاب ہے جو کسی نہ کسی شکل میں ابھی تک موجود ہے کیونکہ حضرت آدمؑ اور حضرت شیثؑ کے صحائف ہی نہیں بعد کے بہت سے صحائف بھی بہرحال معدوم ہو چکے ہیں۔ ان کے علوم میں طرز عبادت اور مناسک کو چھوڑ کر دینی، اخلاقی اور عمرانی روایت کی روح بعد کی کتب سماوی توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن حکیم میں شامل کر دی گئی اس لئے ان قدیم صحیفوں کی حفاظت نہیں کی گئی۔ قرآن حکیم میں ضروری حد تک اقوام ماضیہ کے احوال کا بیان ہے لیکن حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیانی دور کی تاریخ کا بیان اس میں بھی نہیں ہے۔ اس دور کی جو کچھ تاریخ ہے وہ بہرحال تفسیری بیانات، احادیث نبوی، مصحفہ اخنوح اور اسرائیلیات ہی سے معلوم ہوتی ہے۔

مصحفہ میں بھی حضرت ادریسؑ سے پہلے کے دور کا صراحتاً ذکر نہیں ہے۔ لیکن حالات کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور سے پہلے بنی قابیل میں اگرچہ برائیاں پیدا ہوگئی ہوں مگر انھوں

نے ابتدا میں کمزوروں، زیر دستوں اور مومنوں پر دست ظلم دراز نہیں کیا تھا۔ بعد کے حالات میں بظاہر اس کا سبب یہ لگتا ہے کہ شرک میں مبتلا ہونے کے بعد انہیں اپنے مفروضہ خداؤں کی تردید پسند نہ آئی اور نہ اپنے مال و دولت اور اپنے معاشرتی رویوں پر تنقید گوارہ تھی۔ اسی لئے وہ اپنے نقادوں پر دراز دستیوں کے عادی ہو گئے تھے۔ اہل ایمان کے خلاف غم و غصہ کا ایک بہانہ بھی ہاتھ آ گیا تھا۔ یہ رویہ ہمیشہ ہی کفر کی پہچان رہا ہے۔ انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو حق کی دعوت دی لیکن جبراً کسی ایک شخص کا بھی دین نہیں بدلا۔ اس کے برعکس کفر و شرک کی عادی قومیں اہل ایمان پر جبر کرتی ہیں کہ وہ اپنے دین سے پھر جائیں اور جب وہ ایسا نہیں کرتے تو ظلم پر کمر باندھ لیتی ہیں۔ مگر یہ صورت بہت زیادہ دیر نہیں چلتی۔ ایسی ہی کیفیت کے دوران مصحفہ میں اول تو اہل ایمان کا حوصلہ بڑھایا گیا اور ان کو ہدایت کی گئی کہ "اپنے دلوں میں اللہ سے دور نہ ہو، نہ جھوٹ بولو اور نہ کلام حق میں تبدیلی کرو، نہ اللہ پر جھوٹ بولو، نہ بتوں سے مانگو (کیونکہ) جھوٹ اور بے دینی بڑے بھاری گناہ ہیں (مصحفہ اخنوخ ۱۰۴:۹)؛ اور ان دنوں میں مبارک ہوں گے وہ جو عقل کی بات کو قبول کریں گے، اور اسے سمجھیں گے (دین میں تفقہ کریں گے) (مصحفہ اخنوخ ۹۹:۱۰)۔

عقوبت و عذاب کے اسباب سے بحث کرتے ہوئے مصری مفکر انور الجندی (الحضارۃ فی مفھوم الاسلام ۵) نے لکھا ہے کہ قدیم اقوام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیصر و شہنشاہ کی عبادت، انسانوں میں الوہی صفات کا ماننا جیسا کہ فارس، روم، مصر اور ہند میں نظر آیا، زمین اور آسمان کے ملکوت میں فکر و ذکر سے غفلت اور برائیوں میں انہماک عذاب کا سبب بنتا آیا ہے۔ اس پس منظر میں تاریخ پر نظر کی جائے تو انبیاء کے کردار میں عمرانی پہلو نمایاں نظر آتا ہے کہ اول تو وہ قوموں کی اس غفلت کا پردہ چاک کر کے انہیں فطرت کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں تا کہ انسانوں کی مثبت توانائیاں اجتماعی مفاد کی ضمانت بنیں، اور اگر قوم اس طرف مائل نہ ہو تو پھر اپنی غفلت کا خمیازہ بھگتے۔

اسی اصول کی بناء پر جب مشرکین قوم کا ظلم حد سے گزر گیا تو حضرت ادریسؑ نے پہلے تو انہیں ڈرایا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو انہیں اس دنیا میں بھی سزا دی جائے گی اور آخران کے خلاف حربی اقدام بھی کیا گیا، اگرچہ اس کی حیثیت تادیبی تھی جیسا کہ اوپر حوالوں میں آ چکا ہے۔ ان جنگوں میں بنی قابیل کے کفار و مشرکین کا خاتمہ نہیں ہوا، مگر ان پر اہل ایمان کی ہنگامی ہیبت ضرور بیٹھ گئی۔ بعد

کی چند نسلوں اور کم وبیش ایک ہزار سال کی مدت میں ان کے طغیان وسرکشی میں غیر معمولی اضافہ ہوا ساتھ ہی ایجادی مادی علوم نے بے اندازہ ترقی کی۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہے، جس کا آغاز بھی حسن اتفاق سے مصحفہ اخنوخ ہی کے آخری تین ابواب ۱۰۶-۱۰۸ میں ہوتا ہے۔ قوم نوحؑ کی تہذیب کو قوم ادریسؑ کی تہذیب کا تتمہ بھی کہا جاسکتا ہے اور انسانی تاریخ کی دوسری بڑی تہذیب بھی۔

---

## کتابیات

**القرآن:** البقرہ ۲۔ آل عمران ۳۔ التوبۃ ۹۔ یونس ۱۰۔ الرعد ۱۳۔ مریم ۱۹۔ الانبیاء ۲۱۔ النمل ۲۷۔ القصص ۲۸۔ الزمر ۳۹۔ القلم ۶۸۔ المعارج ۷۰۔ الاعلیٰ ۸۷۔

مصحفہ اخنوخ۔ مصحفہ ۲ اخنوخ/ کتاب الاسرار۔ عہد نامہ قدیم (توراۃ) سفر تکوین۔ عہد نامہ جدید (انجیل)۔ عہد نامہ جدید۔ مکتوب یہوداہ۔ امام بخاری۔ الجامع الصحیح/ تفہیم البخاری۔ دارالاشاعت کراچی۔ امام مسلم۔ الجامع الصحیح۔ ادارہ اسلامیاست لاہور ۲۰۰۷ء۔ امام ترمذی۔ جامع ترمذی۔ دارالاشاعت کراچی۔ امام طبرانی۔ المعجم الاوسط۔ دارالحرمین قاہرہ ۱۹۹۵ء۔ امام حاکم۔ مستدرک علی الصحیحین۔ دارالکتب العلمیہ بیروت۔ امام متقی الہندی۔ کنز العمال۔ دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۹ء۔ امام ابن ابی شیبہ۔ المصنف فی الاحادیث والآثار۔ دار التاج بیروت ۱۹۸۹ء۔ امام عبدالرزاق الصغانی۔ المصنف۔ المجلس العلمی جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ/ المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۷۰ء۔ امام طبری۔ جامع البیان۔ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۲۰۰۰ء۔ امام بغوی، حسین ابن مسعود (۴۳۳-۵۱۶ھ/ ۱۰۴۱-۱۱۲۲ء) معالم التنزیل۔ دارطیبۃ ۱۹۹۷ء۔ زمخشری، علامہ محمود۔ الکشاف۔ ڈبلیو نساؤلی کلکتہ ۱۸۵۶ء۔ امام رازی، فخر الدین۔ تفسیر کبیر۔ مفاتیح الغیب۔ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۴ء/ المطبعہ البہیہ المصریہ مصر۔ امام قرطبی، محمد الانصاری۔ الجامع لاحکام القرآن۔ ضیاء القرآن لاہور ۲۰۱۲ء۔ امام بیضاوی، عبداللہ۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل۔ مکتبہ البشریٰ کراچی ۲۰۱۰ء۔ امام نسفی، عبداللہ۔ مدارک التنزیل۔ مکتبۃ العلم لاہور۔ امام اندلسی، ابوحیان۔ بحر المحیط۔ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۳ء۔ امام ابن کثیر۔ تفسیر القرآن۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور۔ ۲۰۰۶ء۔ امام سیوطی، جلال الدین۔ درالمنثور۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۶ء۔ پانی پتی، قاضی ثناء اللہ۔ تفسیر مظہری۔ دار الاشاعت کراچی ۱۹۹۹ء۔ امام آلوسی بغدادی، محمود۔ روح المعانی۔ دار احیاء التراث العربی بیروت۔ شیخ حقانی، عبدالحق دہلوی۔ تفسیر حقانی/ فتح المنان۔ الفیصل، لاہور ۲۰۰۹ء۔ جوہری، حکیم الاسلام شیخ طنطاوی۔ الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم۔ مصطفیٰ

البابی الحلبی مصر ۱۳۵۰ھ۔ تھانوی، مولانا اشرف علی۔ بیان القرآن۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۲۶ھ۔ شفیع، مولانا مفتی محمد۔ معارف القرآن۔ دارالاشاعت کراچی۔ ابن اسحاق۔ قصص الانبیاء المسمیٰ عرائس المجالس مطبع حیدری، ممبئی (بمبئی) ۱۲۹۴ھ۔ ابن سعد۔ طبقات الکبریٰ۔ نفیس اکیڈیمی کراچی۔ طبری، ابن جریر تاریخ الامم والملوک۔ دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۳ء۔ المسعودی، علی۔ مروج الذہب ومعادن الجواھر۔ المکتبۃ العصریہ/ شرکتہ ابناء شریف الانصاری۔ صیدا، بیروت۔ ۲۰۰۵ء۔ ابن اثیر، ابوالحسن علی۔ الکامل فی التاریخ۔ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۷ء۔ ابن کثیر دمشقی۔ البدایہ والنہایہ۔ دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۸ء۔ ابن خلدون۔ تاریخ العبر۔ نفیس اکیڈیمی کراچی ۲۰۰۳ء۔ ابن خلدون۔ مقدمہ۔ نفیس اکیڈیمی کراچی ۲۰۰۱ء۔ امام سیوطی، جلال الدین، الحبائک فی اخبار الملائک۔ مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ۔ ریاض ۲۰۰۶ء۔ طیب، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد۔ خطبات حکیم الاسلام۔ بیت السلام کراچی۔ سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن۔ قصص القرآن۔ دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۲ء۔ غازی، مولانا حامد الانصاری۔ اسلام کا نظام حکومت۔ ندوۃ المصنفین۔ دہلی۔ ۱۹۴۳ء۔ انور، مولانا امداد اللہ۔ فرشتوں کے عجیب حالات۔ دار المعارف، ملتان ۲۰۰۷ء۔ الجندی، انور۔ الحضارۃ فی مفہوم الاسلام۔ دار الانصار قاہرہ۔ امام راغب اصفہانی۔ ع: مفردات القرآن۔ دار الکتاب بیروت۔ امام راغب اصفہانی۔ ر: مفردات القرآن۔ اسلامی اکادمی لاہور۔ معجم الفاظ القرآن الکریم۔ مجمع اللغۃ العربیہ مصر ۱۹۸۸ء۔ کیرانوی، مولانا وحید الزماں قاسمی۔ قاموس الوحید۔ ادارہ اسلامیات لاہور ۲۰۰۱ء۔ بلیاوی، مولانا عبدالحفیظ۔ المنجد اردو۔ خزینۂ علم وادب لاہور۔ غازی، محمد طارق۔ صلح حدیبیہ کا عمرانی رخ۔ سہ ماہی الاقربا اسلام آباد پاکستان، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۴ء۔ انسائیکلوپیڈیا آف کرسچیانٹی/ موسوعہ مسیحیت۔

Erwin Fahlbusch, Jan Milic Lochman John Mbiti Jaroslav Pelikan and Lukas Vischer *Encyclopedia of Christianity* Brill

---

# مطالع المحامد

## (نقاط اور افعال سے خالی سیرت طیبہ)

پروفیسر محمد انس حسان

(۲)

**الوہیت اور بشریت میں عدم امتیاز:** ہمارے ہاں ایسے منظوم سیرت نگاروں کی کثرت ہے جنھوں نے ''احمد'' بلا میم اور ''عرب'' بلا عین کے مضامین اپنی کتب میں بیان کیے ہیں۔ اس قسم کے مضامین میں احمد کو احد اور عرب نہیں بلکہ رب کی شان میں جلوہ گر دکھانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس قسم کے مضامین میں شاعر نے جہاں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے، وہیں اس قسم کی غیر مستحسن روایات در آئی ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

۱۔ حد عہد سرور حد دور داور موحد در اسرار داراءِ اعلا (۴۴)

''آپ ﷺ اور خدا تعالیٰ کا زمانہ ایک ہے یعنی جس طرح خدا قدیم ہیں اسی طرح آپ ﷺ بھی قدیم ہیں۔ نیز آپ ﷺ کے اسرار اور اسرارِ الٰہی ایک ہی ہیں۔''

۲۔ ایک جگہ تو الوہیت اور بشریت کا فرق ہی ختم کر ڈالا ہے۔

ہمہ دہر احوال در اسرار داور در احمد احد حد مدح معلا (۴۵)

''خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے اسرار کے سمجھنے میں تمام زمانہ سرگرداں ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ احمد اور احد دونوں ایک ہیں۔''

**مبالغہ آمیزی:** یہ ایک حقیقت ہے کہ منظوم سیرت نگاروں نے مبالغہ کے تحت حسنِ کلام میں اضافہ اور جدت و ندرت پیدا کرنے کی خاطر تشبیہ و استعارہ کے استعمال میں بغایت احتیاط و

---

گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں، پاکستان۔

بصیرت کا کام نہیں لیا۔ حالانکہ موضوع کی نزاکت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فن مبالغہ حیطہ کذب و افتراء سے مبرا رہے۔ بعض نے غلط فہمی اور مغالطہ آمیزی کی بنا پر فن مبالغہ کو ہی ''شاعرانہ کذب'' کہہ دیا ہے۔ اس باب میں خواجہ نظام الدین اولیاء کا مشہور قول ہے:

> ''جھوٹ بولنا گناہ ہے لیکن وہ جھوٹ جو شعر میں بولا جائے اس میں گناہ نہیں۔''(۴۶)

لیکن سید سلیمان ندوی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

> ''حضرات انبیاء علیہم السلام کے باب میں ذرا سا مبالغہ وغلو شرک کی سرحد میں پہنچا دیتا ہے اور تہدید نبوی ''**من کذب علی متعمداً فلیتبو مقعدہٗ من النار**'' کا مستحق قرار دیتا ہے۔''(۴۷)

خواجہ الطاف حسین حالی نے تو ''فن مبالغہ'' کے بخیے ہی ادھیڑ کر رکھ دیے ہیں، لکھتے ہیں:

> ''ہماری شاعری میں خلفائے عباسیہ کے زمانے سے لے کر آج تک جھوٹ اور مبالغہ برابر ترقی کرتا چلا آیا ہے اور شاعری کے لئے جھوٹ بولنا صرف جائز ہی نہیں رکھا گیا بلکہ اس کو شاعری کا زیور سمجھا گیا ہے۔''(۴۸)

مولف ''مطالع المحامد'' نے مبالغہ آمیزی میں اگرچہ اپنے پیش رو سیرت نگاروں کی اقتداء نہیں کی لیکن کئی ایک مقامات پر مبالغہ آمیزی کے نمونے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ''بشریت و الوہیت'' کی بات تو کی جا چکی جو عقیدے کے زمرے میں آتی ہے، اس کے علاوہ وہ نمونے جو عقیدے کی بجائے ادبی دائرے میں آتے ہیں ان کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شجاعت اور بہادری کے بیان میں مبالغہ کا یہ انداز ہے۔

در امطار صمصام سالار اعلا معارک ہمہ لالہ و درد حمرا(۴۹)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلوار جس وقت مثل ابر کے برستی تھی تو جنگ گاہیں لالہ و گل کے کھیت کی طرح سرخ اور رنگین ہو جاتی تھیں۔''

۲۔ تناسخ کا اثر ملاحظہ کیجیے۔

مع عود اولاد معدوم آدم در اسرار مہر رسول معلا(۵۰)

’’حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد مرگئی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں پھر پیدا ہو رہی ہے۔‘‘

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر ایسا تاج پہنا دیا گیا ہے جو دوسو چاند اور سورج کی چمک سے بھی زیادہ روشن ہے۔

دو صد مہر و مہہ در کلاءِ مطہر　　ارم حلہ راد مرد معلا (۵۱)

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تاج کے جواہر اس قدر بڑے اور روشن ہیں کہ معلوم ہوتا ہے دوسو چاند اور سورج چمک رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس ایسا مرصع اور مزین ہے کہ بہشت کا گمان ہوتا ہے۔‘‘

**نامناسب الفاظ کا استعمال:** سیرت نگاری اپنی اہمیت اور مرتبے کے اعتبار سے جس درجہ فضیلت وشرف کا باعث ہے اسی درجہ حزم واحتیاط اور حفظِ مراتب کا تقاضا بھی کرتی ہے۔ شاعر سیرت نگاروں نے واقعہ نگاری کے ضمن میں بعض نامناسب الفاظ کا استعمال بھی روا رکھا ہے جو کسی طور درست نہیں۔ اس حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نبی سے زیادہ بادشاہ کی شکل میں پیش کرنے اور حور و غلماں کو آپؐ کے گرد گھیرا ڈالے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، ’’مطالع المحامد‘‘ بھی اس قسم کی مثالوں سے خالی نہیں۔ تقریباً تین سو اشعار ایسے ہیں جن میں حور و قصور کا ذکر ملتا ہے۔ نیز آپؐ کا تعارف ایک بادشاہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان مقامات میں شاعر قدیم فارسی قصیدہ گو شعراء سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتا، اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ یہاں شراب کا ذکر نہیں جبکہ ان کے پیشرو شعراء کے ہاں شراب اور ساغر و مینا کے بغیر شعر نامکمل تصور کیا جاتا تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ سرِ لوح روءِ امام مطہر　　گہہ مہر لعل مطراء حورا (۵۲)

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار پر بوسے کی وجہ سے حوروں کے موتیوں جیسے لبوں کی مہر لگی ہوئی تھی۔‘‘

۲۔ سرور و ہمہ رود و دور عرائس　　مع سور ہر سوءِ صحراء والا (۵۳)

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاروں اطراف سرود اور رود بج رہا تھا اور حسین عورتیں ناچ رہی تھیں۔ اس وسیع صحرا کے چاروں اطراف جشن کا سماں تھا۔‘‘

۳۔ گہہ حملۂ مرد اعلاء عالم　　مکسر مسامع در آواء والا (۵۴)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت حملہ کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعرے کی آواز سے لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹ جاتے تھے۔‘‘

**نامناسب تشبیہات:** ''مطالع المحامد'' میں تشبیہات و استعارت اور مجاز و کنایہ کا کثرت سے اور عمدگی سے استعمال کیا گیا ہے، تاہم کئی غلط اور نامناسب تشبیہات بھی کتاب میں درآئی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ گل دوحۂ کلک داراء داور مہہ دور روء رسول معلا (۵۵)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک خدا تعالیٰ کے قلم کے درخت کا پھول ہے۔''

۲۔ مہمد مع سور مورِ مکسر رسوم مہہ راد سالار اعلا (۵۶)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذہبی رسوم چیونٹیوں کے جشن کے مانند پھیلے ہوئے ہیں۔''

۳۔ اگر عکس معدوم امرِ مسلم ارم لوح عکس مہہ راد اعلا (۵۷)

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس معدوم ہے تو یہ ایک مسلم الثبوت امر ہے کیونکہ بہشت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے عکس جیسی ہے۔''

اول تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی روایت ہی درست نہیں اور شعر مذکور میں ''اگر'' سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایسا فرض کر بھی لیا جائے تو جو عکس موجود ہی نہیں اس کی تشبیہ اور نسبت بہشت سے کیسے ہوسکتی ہے۔

**فلسفیانہ موشگافیاں:** صاحب ''مطالع المحامد'' کو فلسفہ اور منطق سے خصوصی شغف تھا۔ منطق اور فلسفے کے موضوع پر انہوں نے متعدد رسائل بھی لکھے تھے جو تلف ہوگئے۔ ان کے اس ذوق کا اثر ''مطالع المحامد'' میں بھی نظر آتا ہے۔ اگر یہ کتاب سیرت نبویؐ سے متعلق نہ ہوتی تو شاید کوئی بات نہیں تھی لیکن انہوں نے کئی مقامات پر عجب موشگافیاں کی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ دم سرور دہر در دورِ آدم رکوع ملائک در اکرام والا (۵۸)

''چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون حضرت آدمؑ کے جسم میں تھا لہٰذا ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو جو سجدہ کیا وہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا تھا۔''

مع لاءِ کالاء روح مطہر مہہ راد سالک سوء راہِ دارا (۵۹)

''معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مادی جسم کو چھوڑ دیا اور روحانی جسم کے ساتھ اللہ کی طرف

تشریف لے گئے۔"

**عدمِ تسلسل:** "مطالع المحامد" میں تسلسل کا فقدان ہے۔ایک واقعہ کے ذکر میں کسی ایسی بات کو شروع کر دیتے ہیں۔جس کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اس کے نتیجہ میں اصل اثر زائل ہوجاتا ہے۔شایداس کی وجہ یکسوئی کا فقدان ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ اصحابِ رسولؐ کی ہجرتِ حبشہ اولیٰ کے ضمن میں صحابہ کرامؓ کی ہجرت کو بعد میں جبکہ نجاشی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جانے والے عریضے کا ذکر پہلے منظوم کیا ہے۔(۶۰) حالانکہ زمانی ترتیب اس کے برخلاف ہے۔

۲۔ واقعہ معراج ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ قبل کا ہے اوراس لحاظ سے اسے اسی ترتیب سے بیان کرنا چاہیے تھا لیکن اسے کتاب کے تقریباً اختتام میں ذکر کیا گیا ہے(۶۱)۔

۳۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کا واقعہ ہجرتِ مدینہ سے پہلے پیش آیا تھا لیکن اس کا ذکر بعد میں اور ہجرت مدینہ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔(۶۲)

۴۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر مکہ سے روانہ ہونے کے واقعہ کو بیان کرکے ایسی بحث کی ہے جو اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔(۶۳)

**مضامین کا تکرار:** "مطالع المحامد" کا ایک نقص یہ ہے کہ اس میں مضامین اوراشعار کی تکرار کثرت سے ہے۔یقیناً محدود ذخیرہ الفاظ کے سہارے اتنا طویل قصیدہ لکھنا بجائے خود ایک کارنامہ ہے لیکن اس میں کمال تب پیدا ہوتا جب مضامین میں جدت طرازی اور نکتہ آفرینی بھی ہوتی۔طویل قصائد میں اگر یہ خوبی شامل نہ ہو تو فصاحت و بلاغت اور ندرتِ بیان کے باوجود پڑھنے میں شوق و انہماک قائم نہیں رہتا اور یہی حال "مطالع المحامد" کا بھی ہے۔چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ عرائس ہمہ مہر و ماہِ مطہر ہمہ لمعہ طور و درگاہ والا(۶۴)

یہ مضمون تقریباً اکیاون اشعار میں دہرایا گیا ہے۔بعض جگہ تو ایک معمولی لفظی تغیر ہے۔

۲۔ ملائک گہہ گاہ حور مطہر دو سوءِ مہہ راد سالار دارا(۶۵)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں طرف کبھی ملائکہ کی صف دکھائی دیتی تھی اور کبھی حوروں کی صف۔"

یہ شعر تین جگہ اسی طرح ہے اور گیارہ مقامات پر اس سے ملتے جلتے مضمون میں ہے۔

**تضاد وتنافر:** تضاد وتنافر کلام کا سقم ہے۔ ''مطالع المحامد'' کے چند مقامات میں یہ وصف ناپسندیدہ بھی پایا جاتا ہے۔ ایک جگہ جس بات کا اثبات ہے وہیں دوسری جگہ پر اس کی نفی بھی ہے۔ مثلاً

دموعِ مطراء کلک مطہر در آلام املاء مدح معلا(۶۶)

''میرا پاکیزہ قلم آنسو بہا رہا ہے اور انتہائی پریشانی کے عالم میں آپ ﷺ کی تعریف لکھ رہا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی تعریف لکھنا انتہائی مشکل کام ہے۔''

لیکن ایک اور جگہ اس کے بالکل متضاد بات کہہ دی ہے۔

سر کلک مائل گہہ حمد دارا در املاء مدح رسول معلا(۶۷)

''مداح جس وقت مدح لکھتا ہے تو قلم انتہائی شوق اور خوشی سے رسول اللہ ﷺ کی تعریف لکھنے پر مائل ہوجاتا ہے۔''

مساء صعود رسول معلا سواد ہمہ طرۂ و موء حورا(۶۸)

''رسول اللہ ﷺ کی شب معراج اپنی تاریکی میں حوروں کی زلف اور بالوں کی طرح سیاہ تھی۔''

لیکن یہ شعر بھی ہے۔

سر راہِ مرد معلاء عالم ہمہ لمعہ ماہ و مہر معلا(۶۹)

''معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی راہ میں چاروں طرف چاند اور سورج کی شعائیں پھیلی ہوئی تھیں۔''

**کتابتی وطباعتی اغلاط:** ''مطالع المحامد'' کی کتابت اور طباعت کے اغلاط کے بارے میں مقدمہ نگار نے لکھا ہے:

> ''اس کا افسوس ہے کہ باوجود کافی اہتمام اور کوشش کے کتابت وطباعت کی غیر معمولی دقتوں کی وجہ سے قصیدہ میں بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ کسی فتنہ انگیز حاسد نے کسی کاتب سے مل کے کچھ شعر قصداً خراب کر دیے۔''(۷۰)

اگرچہ کتاب کے آغاز ہی میں ایک طویل ''غلط نامہ'' ہے پھر بھی ایسی کئی غلطیاں ہیں جو ''غلط نامے'' میں نہیں آسکی ہیں۔ ذیل میں چند کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

۱۔ کتابت کی غلطیاں، مثلاً:

''اعلاءِ دارا'' کو ''داراءِ اعلاً'' لکھ دیا گیا ہے۔ ''سرود'' ''سرد'' ہے۔ ''امطار'' ''اسطار'' ہے

''مطرا'' کو ''مطہر'' اور ''عائل'' کو ''آئس'' لکھ دیا گیا ہے۔ ''سرور'' ''شرر'' ہو گیا ہے۔ ''اکارم'' کو ''اکابر'' اور ''مکسر'' کو ''مکرم'' لکھ دیا گیا ہے۔ (۷۱)

۲۔ دوسری قسم ان اغلاط کی ہے جو مشکل الفاظ کے معانی اور ترجمے کے نقص و ابہام کی ہیں۔ یہ ترجمہ پروفیسر عبدالقوی فانی کا ہے۔

ایک شعر کا ترجمہ یوں ہے ''مولوی محمد عبدالقوی فانی کا سروکار آپؐ کے احکام سے ہے اور فانی کی آواز پر بالکل آپؐ کی تعریف ہے''۔ (۷۲) ایک شعر کے ترجمے میں ہے کہ ''خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کی خدمت میں سوال ہے کہ مولوی عبدالقوی فانی کو اپنے فضل و کرم سے سرفراز کیا جائے۔'' (۷۳)

غور کیجیے کہ شاعر کا نام ''مرزا قدرت اللہ بیگ'' ہے اور ترجمہ میں اس کو بدل کر ''عبدالقوی فانی'' کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر یا تو ترجمہ ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو یا تو نامکمل یا پھر اصل کے متضاد ہے۔

۳۔ تیسری قسم ان غلطیوں کی ہے جو طباعتی اغلاط کے زمرے میں آتی ہیں۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

کئی مقامات پر کاپیوں کو غلط جوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ص ۸۰ کا اگلا حصہ ص ۸۳ ہے۔ اسی طرح ص ۸۸ غلط جگہ پر ہے، ص ۱۸۷ کا مضمون ص ۱۱۵ کے بعد کا تھا۔ ص ۲۱۴ کا آدھا صفحہ ۲۱۲ پر آنا چاہیے تھا۔ ص ۱۵۴ پر اشعار کی صرف سطر ہے۔ باقی اشعار رہ گئے، ص ۱۵۷ بھی نامکمل ہے۔ کاپیاں کافی پرانی ہونے کی وجہ سے پروف اچھے نہیں آئے اور کئی جگہ پر تو بالکل پڑھے ہی نہیں جاتے۔ شاعر کا بیان ہے کہ یہ قصیدہ دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ (۷۴) لیکن موجودہ کتاب میں چار ہزار پانچ سو اڑتیس اشعار ہیں۔ یعنی یا تو شاعر کو اشتباہ ہوا یا پھر موجودہ طباعت میں اصل کتاب کی تلخیص کر دی گئی ہے۔

**تجاویز و سفارشات:** راقم اس کتاب کے مطالعے کے بعد درج ذیل تجاویز اہل علم کے سامنے رکھنا چاہتا ہے۔

اس کتاب کو خوب تحقیق کے بعد دوبارہ شائع کیا جائے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی کتابتی و

طباعتی سُقم باقی نہ رہے۔اس کا عمدہ اور عام فہم ترجمہ ہونا چاہیے اور ظاہر ہے یہ کام وہی شخص بخوبی کر سکتا ہے جو فارسی کے قدیم اور متروک الفاظ کا مکمل فہم رکھتا ہو۔صاحب کتاب کے حالات بہت کم دستیاب ہیں۔اس کی تلاش کی جائے۔کتاب کے آخر میں مشکل الفاظ اور مخففات کا اشاریہ ہوتا کہ استفادہ میں آسانی ہو۔اگر کوئی محقق اس کتاب کو اپنا موضوع بنانا چاہے تو یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس پر ایم۔فل سطح کی تحقیق کی کوشش کی جائے۔

---

## حوالہ جات وحواشی

(۴۴) راد،قدرت اللہ،مرزا،مطالع الحامد،ص ۴۶۔(۴۵) مرجع سابق،ص ۱۴۸۔(۴۶) نظام الدین اولیاء، فوائدالفواد،لاہور،الفیصل ناشران وتاجران کتب،۱۹۹۱ء،ص ۴۶۲۔(۴۷) آغا نوری درانی،معجزات (منظوم)، تقریظ: سیدسلیمان ندوی،۱۹۹۵ء،ص ۱۳۔(۴۸) حالی،الطاف حسین،مقدمہ شعروشاعری،لکھنو،الناظر پریس، ص ۷۷۔(۴۹) راد،قدرت اللہ،مرزا،مطالع الحامد،ص ۱۴۶۔(۵۰) ایضاً،ص ۱۴۹۔(۵۱) ایضاً،ص ۳۸۔ (۵۲) ایضاً،ص ۶۶۔(۵۳) ایضاً،ص ۱۱۴۔(۵۴) ایضاً،ص ۱۶۳۔(۵۵) ایضاً،ص ۱۴۴۔(۵۶) ایضاً،ص ۱۴۵۔(۵۷) ایضاً،ص ۱۴۸۔(۵۸) ایضاً،ص ۶۴۔(۵۹) ایضاً،ص ۱۹۰۔ابن قیم کے مطابق جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج بدن اور روح کے ساتھ ہوئی تھی۔تفصیل ملاحظہ ہو:''زادالمعاد''،ج ۱، ص ۳۰۰۔قاضی سلیمان منصور پوری نے اس پر بڑی عمدہ بحث کی ہے۔تفصیل ملاحظہ ہو:''رحمۃ اللعالمین''، ج ۱ ص ۶۵۔(۶۰) راد،قدرت اللہ،مرزا،مطالع الحامد،ص ۱۰۰۔۹۹۔(۶۱) ایضاً،ص ۱۸۷۔(۶۲) ایضاً،ص ۹۷۔۹۶۔(۶۳) ایضاً،ص ۹۷۔۲۷۔(۶۴) ایضاً،ص ۳۲۔(۶۵) ایضاً،ص ۱۸۹۔(۶۶) ایضاً،ص ۱۶۲۔ (۶۷) ایضاً،ص ۱۷۱۔(۶۸) ایضاً،ص ۱۸۸۔(۶۹) ایضاً،ص ۱۷۸۔(۷۰) ایضاً،ص ۸ (مقدمہ کتاب)۔ (۷۱) کتاب کے درج ذیل صفحات دیکھیے: ۷، ۸، ۳۶، ۱۰۰، ۱۲۹، ۱۳۸، ۱۴۵، ۱۷۷۔(۷۲) ایضاً،ص ۲۰۴۔(۷۳) ایضاً،ص ۲۱۲۔(۷۴) راد،قدرت اللہ،مرزا،مثنوی سحر حلال،ص ۱۱۔

# اقبال اور مادۂ تاریخ

ڈاکٹر ایم، اے رؤف خیرؔ

بعض لکھنوی و دہلوی اہل زبان اقبال کو پنجابی ہونے کی وجہ سے چشم کم سے دیکھتے تھے مگر اقبال نے زبان و بیان کا پورا پورا خیال رکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ کسی سے کم نہیں۔ مسدس کے فارم میں نظمیں لکھیں تو مروجہ روایتی مسدس کے بالمقابل بڑی لکیریں کھینچ کر دکھائیں ان میں شاہکار مسدس شکوہ و جواب شکوہ ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے انیس و دبیر نے بلکہ بیشتر شاعروں نے مرثیے اسی صنف مسدس میں لکھے تھے یہاں تک کہ مولانا خواجہ الطاف حسین حالی نے مسدس مدو جزر اسلام جیسا بے مثال کارنامہ کر دکھایا جسے سرسید اپنے لیے ''شاہ نیکی'' تصور کرتے تھے۔ مثنویوں کی بہتات کے بالمقابل اقبال نے ''ساقی نامہ'' رکھ کر اس ہیئت کو وقار بخشا۔ نظم و غزل میں اپنی پہچان رکھ دی۔ اقبال کی نظموں کے اشعار ان کی غزلوں کے اشعار ہی کی طرح مقبول خاص و عام ہوئے۔ اپنے استاد آرنلڈ کی یاد میں ''نالۂ فراق'' مسدس کی ہیئت میں ہے۔ داغ و غالب کو خراج عقیدت بھی مرثیے کی ہیئت میں ہیں، سرسید کی لوح تربت پر اسی صنف میں کارنامہ دکھایا۔ ''تصویر درد'' تو پوری قوم ہی کا مرثیہ ہے۔ راقم نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ انیس و دبیر وغیرہ نے شہر مرثیہ لکھنؤ کو مسدس کے ذریعہ ''اشک آباد'' بنا کر چھوڑا تھا اسے اقبال نے اپنے ''حرف خوش آب'' سے سیراب کر دیا۔ مختصر یہ کہ ہر صنف میں اقبال سر و شانہ بلند ہیں یعنی (Head & Shoulders Above)۔

اقبال نے مادۂ تاریخ میں بھی اپنا کمال دکھایا ہے۔ فارسی ادب کے اثر کے تحت اردو میں بھی ہر اہم موقع کے لیے مادۂ تاریخ نکالنے کی روایت قائم ہوئی غالب کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں صاحب کی اپنی تاریخ پیدائش لفظ ''تاریخ'' ہی سے ۱۲۱۱ھ برآمد ہوتی ہے تو غالب نے فوری

---

موتی محل، گول کونڈا، حیدرآباد، ۵۰۰۰۰۸، تلنگانہ۔

ایک قطعہ کہتے ہوئے اپنی تاریخ پیدائش کے لیے کہا ''ان کی تاریخ میرا تاریخا''، یعنی ۱۲۱۲ھ۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنی کتاب ''مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی اہلیہ محترمہ کی وفات پر ان کی تاریخ وفات ''لہا غفر'' سے نکالی اس پر مرزا فرحت اللہ بیگ کا دلچسپ تبصرہ کتاب میں دیکھ لیجیے انہوں نے اپنے استاد ڈپٹی نذیر احمد سے کہا کہ آپ نے اپنی طرف سے بس یہ کیا کہ سرسید کے لیے کہی گئی تاریخ ''غفرلہ'' ۱۳۱۵ھ کے مادۂ تاریخ میں الف کا اضافہ کر کے لہا غفر ۱۳۱۶ھ کر دیا اور یہ تاریخ تو اس سال ہر مرنے والی پر صادق آئے گی۔

ڈاکٹر محمد جمیل کی ''دریافت'' کے حوالے سے مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیرالدین محمد بابر کی تاریخ ولادت ۱۴ر فروری ۱۴۸۳ء مطابق شش محرم یعنی ۶ رمحرم کو ہوئی اور ''شش محرم'' کے الفاظ سے ۸۸۸ھ مادۂ تاریخ برآمد ہوتا ہے جو اس کا سن ولادت ہے۔

حروف ابجد کو ترتیب وار یاد رکھنے کے لیے اہل نظر نے انہیں بعض بے معنی الفاظ میں ڈھال دیا ہے جیسے ابجد (۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴) ہوز (۵۔ ۶۔ ۷) حطی (۸۔ ۹۔ ۱۰) کلمن (۲۰۔ ۳۰۔ ۴۰۔ ۵۰) سعفص (۶۰۔ ۷۰۔ ۸۰۔ ۹۰) قرشت (۱۰۰۔ ۲۰۰۔ ۳۰۰۔ ۴۰۰) ثخذ (۵۰۰۔ ۶۰۰۔ ۷۰۰) ضظغ (۸۰۰۔ ۹۰۰۔ ۱۰۰۰)۔

مادۂ تاریخ کبھی کبھی بڑی آسانی سے اور بڑا دلچسپ نکل آتا ہے مگر کبھی کبھی تدخلہ و تخرجہ سے کام لے کر شاعر حروف کی کمی بیشی کی نشاندہی کر کے مادۂ تاریخ نکالتا ہے۔

علامہ اقبال نے بڑی آسانی سے بعض مادۂ تاریخ نکالے ہیں۔ ''حریت اسلام سرحادثۂ کربلا'' (رموز بے خودی) میں اقبال کہتے ہیں:

دشمناں چوں ریگ صحرا لا تعد  دوستان او بہ یزداں ہم عدد

اقبال نے ''یزداں'' کے ہم عدد دوست کہہ کے ابجدی معما پیش کیا تھا۔ ''یزداں'' کے اعداد بہتّر ہوتے ہیں۔ اس شعر کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے مترجم اقبال جناب سید احمد ایثار نے اپنی کتاب ''اسرار و رموز'' میں اس معمے کو کھول دیا:

ریت کے مانند دشمن بے شمار  ان کے ہمراہی بہتّر جاں نثار

اپنی خود نوشت سوانح حیات ''اپنا گریباں چاک'' مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

۲۰۰۶ء کے باب ''نامعلوم منزل کی طرف'' میں ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال نے انکشاف کیا ہے کہ علامہ اقبال نے سری رنگاپٹنم کے مقام پر شیر میسور ٹیپو سلطان شہید کے مزار کی زیارت کی تھی تو پانچ شعر کی ایک نظم لکھی تھی جس کے عنوان ''شمشیر گمشد'' سے ٹیپو سلطان کی شہادت کا سن ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء برآمد ہوتا ہے۔ یہ فارسی نظم علامہ اقبال کے کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔ یہ تاریخی نایاب نظم راقم الحروف کے منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ ارباب نظر کی نذر ہے:

| فارسی (علامہ اقبال) | ترجمہ (ڈاکٹر رؤف خیر) |
| --- | --- |
| آتشے در دل دگر برکردہ ام | میرے اندر اک حرارت بھر گئی |
| داستانے از دکن آوردہ ام | یہ دکن کی داستاں کیا کر گئی |
| در کنارم خنجر آئینہ فام | کانچ سا خنجر مرے پہلو میں ہے |
| می کشم او را بتدریج از نیام | دھیرے دھیرے میان سے کھینچوں اسے |
| نکتۂ گویم ز سلطانِ شہید | مجھ سے کہتے تھے یہ سلطانِ شہید |
| زاں کہ ترسم تلخ گردد روزِ عید | ڈر ہے، سن کر تلخ ہوگی تیری عید |
| پیشتر رفتم کہ بوسم خاکِ او | مس ہوئے جب لب مرے اس خاک سے |
| تا شنیدم از مزارِ پاکِ او | اک ندا آئی مزارِ پاک سے |
| در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست | جی نہیں سکتا جہاں مردانہ وار |
| ہم چو مرداں جاں سپردن زندگیست | مر تو سکتا ہے وہاں مردانہ وار |

اس نظم کے آخری شعر میں ٹیپو سلطان شہید کے حوالے سے خودی و جہاد کا پورا فلسفہ اقبال نے پیش کردیا ہے اس کا ترجمہ بھی توفیق الٰہی سے ایسا ہوگیا ہے کہ اگر اقبال زندہ ہوتے تو ضرور پسند فرماتے۔ خاص طور پر آخری شعر کا اردو ترجمہ۔

اقبال نے اپنے استاد داغ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک درد انگیز نظم کہی تھی جو ''بانگ درا'' میں شامل ہے۔ اقبال کی ذہانت کا اندازہ لگایئے کہ انھوں نے داغ کی تاریخ وفات ان کے نام ہی سے نکالی یعنی ''نواب میرزا داغ'' جس سے ۱۳۲۲ھ برآمد ہوتا ہے۔

چل بسا داغؔ آہ میت اس کی زیب دوش ہے     آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے

داغ ۲۵؍مئی ۱۸۳۱ء کو دہلی میں وزیر خانم کے ہاں پیدا ہوئے اور ۱۴؍فروری ۱۹۰۵ء کو حیدرآباد میں ان کا انتقال ہوا اور یہیں درگاہ یوسفین کے احاطے میں دفن ہیں۔انتقال کے وقت داغ کی عمر چوہتر سال تھی۔گلزار داغ، مہتاب داغ، فریاد داغ، یادگارِ داغ ہیں۔

علامہ اقبال کو امیر مینائی سے دلی لگاؤ تھا۔امیر مینائی کی پیدائش لکھنؤ میں ۲۱؍فروری ۱۸۲۹ء کو ہوئی اور وفات تیرہ چودہ اکتوبر کی درمیانی شب سن ۱۹۰۰ء میں حیدرآباد میں ہوئی۔ان کی شہرت ''امیر اللغات'' سے زیادہ ہوئی۔امیرؔ نے واجد علی شاہ کی شان میں قصیدے بھی لکھے ''غیرتِ بہارستان''۔وہ طب، علم جفر وغیرہ میں بھی دخل رکھتے تھے اس پر ان کی کتاب ''رموز غیبیہ'' گواہ ہے۔ اس کے علاوہ مینائے سخن، مراۃ الغیب، صنم خانۂ عشق، دیوان امیر، مثنوی عاشقانہ، رباعیات، مسدسات، محامد خاتم النبین ان کے شعری کارنامے ہیں۔امیرؔ نے نثر میں امیر اللغات کے علاوہ کچھ اور یادگاریں بھی چھوڑی ہیں جیسے تذکرہ شعرائے رام پور (انتخابِ یادگار)، خیابان آفرینش، زاد الامیر، سرمۂ بصیرت وغیرہ۔امیر نے ''نماز کے اسرار'' نامی کتاب بھی لکھی۔اقبال کو ان سے اتنی زیادہ عقیدت تھی کہ فرماتے ہیں:

عجیب شئے ہے صنم خانۂ امیرؔ اقبال
میں بت پرست ہوں رکھ دی کہیں جبیں میں نے

امیرؔ مینائی پر اقبال ایک مبسوط مقالہ انگریزی میں لکھنا چاہتے تھے تاکہ مغربی دنیا کو امیر سے متعارف کر سکیں۔ان کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔اقبال نے امیر مینائی کی تاریخ وفات قرآن مجید کی سورۃ الشعراء کی آیت ۸۴ سے نکالی۔واجعل لی لسان صدق فی الآخرین۔یہ دراصل ابراہیمؑ کی دعا ہے کہ مالک میرا ذکر خیر آنے والی نسلوں کی زبانوں پر جاری رکھ۔''لسان صدق فی الآخرین'' کے ٹکڑے سے تاریخ وفات امیر ۱۳۱۸ھ برآمد ہوتی ہے۔امیر مینائی ۷۳ برس کی عمر میں دار فانی سے کوچ کر گئے۔

علامہ اقبال کو مولانا خواجہ الطاف حسین حالی سے بے حد عقیدت تھی۔سبھی جانتے ہیں کہ انجمن حمایت الاسلام کے ایک جلسے میں حالی کا کلام اقبال نے خوش گوار ترنم سے سنایا بھی تھا۔ اقبال کا شکوہ و جواب شکوہ شاید وجود میں نہ آتا اگر حالی کا کارنامہ مسدس مدوجزر اسلام نہ ہوتا۔

شبلی کی عالمانہ حیثیت کا اقبال کو خوب اندازہ تھا۔

حالی اور شبلی میں بیس سال کا فرق تھا۔ حالی ۱۸۳۷ء میں اور شبلی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ اقبال بھی شبلی سے بیس سال چھوٹے تھے کہ وہ ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ حالی و شبلی کی وفات صرف چند ہی دن کے فرق سے ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ گویا عرصۂ حیات میں بیس سال کا فرق برقرار رہا۔ حالی و شبلی کو ایک ہی نظم میں اقبال نے خراج عقیدت پیش کیا۔

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستاں
حالی بھی ہوگیا سوئے فردوس رہ نورد

اقبال نے شبلی کی لوح مزار کے لیے نثر میں تاریخ وفات نکالی جس سے ۱۳۳۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ وہ نثری ٹکڑا ہے "امام الہند والانژاد شبلی طاب ثراہ"۔

علامہ اقبال کے ایک قریبی دوست میاں شاہ دین ہمایوں تھے جن کی پیدائش ۲/ اپریل ۱۸۶۸ء یعنی غالب کی وفات سے دس ماہ پہلے اور وفات ۲ /جولائی ۱۹۱۸ء کو ہوئی تھی۔ ان کی وفات پر اقبال نے فارسی میں ایک دلچسپ قطعہ کہا۔ میاں شاہ دین ہمایوں "علامہ فصیح" کہلاتے تھے۔ اقبال نے جو دلچسپ تاریخ وفات نکالی وہ ان کی لوح مزار پر کندہ ہے:

درگلستانِ دہر ہمایونِ نکتہ سنج آمد مثالِ شبنم و چوں بوئے گل رمید
می جست عندلیب خوش آہنگ سال فوت "علامہ فصیح" ز ہر چار سو شنید

"علامہ فصیح" کے اعداد بنتے ہیں ۳۳۴ کو اگر چار سے ضرب دیں تو ان کی تاریخ وفات ۱۳۲۶ھ نکل آتی ہے۔

پیرزادہ محمد حسین عارفؔ ایک صوفی منش شاعر تھے۔ یہ ۳۰/ستمبر ۱۸۵۶ء کو پیدا ہوئے اور ۳۰/مارچ ۱۹۲۸ء کو بہتر برس کی عمر میں وفات پائی۔ عارف صاحب نے ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۱ء میں مولانا رومیؔ کی مثنوی میں سے ایک سو حکایات کا سلیس اردو ترجمہ کرڈالا جو "عقد گوہر یا موتیوں کا ہار" کے نام سے شائع ہوا تیرہ سو چھبیس اشعار پر مشتمل مذکورہ منظوم اردو ترجمے کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں موصوف کی اس کتاب کی اشاعت کے موقع پر اقبال نے اس کی تاریخ خوب نکالی ہے۔ یہ تاریخی قطعات چار اردو میں ہیں تو دو فارسی میں ہیں۔ رومی تو اقبال کے ہیرو ہی ہیں۔ اسی حوالے سے پیرزادہ محمد حسین عارف سے بھی انھیں محبت تھی پیر بھائی جو ٹھہرے۔

ان کی تاریخیں ملاحظہ فرمائیے:

مرحبا اے ترجمانِ مثنویِ معنوی ہست ہر شعرِ تو منظورِ نگاہِ انتخاب
از پئے نظارۂ گل دستۂ اشعارِ تو حسنِ گویائی زِروئے خویش بردارد نقاب
بہرِ سالِ طبعِ قرآنِ زبانِ پہلوی بلبلِ دل می سراید ''تلک آیات الکتاب''

''تلک آیات الکتاب'' کے ٹکڑے سے عارف صاحب کی کتاب کی تاریخ ۱۳۱۷ھ برآمد ہوتی ہے۔

پیرزادہ محمد حسین عارف کی ایک اور کتاب کا مادۂ تاریخ بھی دلچسپ ہے۔ اقبال کتاب کی تعریف کرتے ہوئے تین شعر کے آخری مصرعے کے ایک ٹکڑے سے تاریخ اشاعت نکالتے ہیں۔

میرے مخدوم و مکرم نے لکھی ایسی کتاب شاہدِ لیلائے عرفاں کا جسے محمل کہیں
ہے مصنف نخل بندِ گلشنِ معنی اگر مزرعِ کشتِ تمنا کا اسے حاصل کہیں
از پئے تاریخ ہاتف نے کہا اقبال سے زیب دیتا ہے اگر ''مرغوبِ اہلِ دل'' کہیں

''مرغوب اہل دل'' سے تاریخ اشاعت ۱۳۱۸ھ برآمد ہوتی ہے۔

پیرزادہ عارف کی کتاب کی تاریخ عیسوی سن میں بھی نکالی ہے:

غیرتِ نظم ثریا ہے یہ نظمِ دل کش خوبیٔ قول اسی نظم کی شیدائی ہے
فکرِ تاریخ میں ۔ میں سرِ بگریباں جو ہوا کہہ دیا دل نے ''یہ خضرِ رہِ دانائی ہے''

آخری مصرع کے آخری حصے (یہ خضر رہ دانائی ہے) سے ۱۹۰۱ء برآمد ہوتا ہے ان کی کتابیں (۱۹۰۰) اور (۱۹۰۱) میں شائع ہوئی ہیں جس کا سال ہجری (۱۳۱۷ھ) اور (۱۳۱۸ھ) ہوتا ہے۔

ایک اور قطعہ تاریخ جس میں اقبال نے تدخلہ وتخرجہ کی سہولت سے استفادہ کیا ہے۔

بزمِ سخن میں اہلِ بصیرت کا شور ہے یہ نظم ہے کہ چشمِ فصاحت کا نور ہے
میں نے کہا یہ دل سے کہ اے مایۂ ہنر تاریخِ سالِ طبع کا لکھنا ضرور ہے
ہاتف نے دی صدا سرِ اعدا کو کاٹ کر حقا یہ نظم موجِ شرابِ طہور ہے

اس قطعہ کے آخری مصرعہ سے ۱۹۰۱ء برآمد ہوتا ہے مگر ''اعدا'' کو کاٹ کر یعنی اعدا کے پہلے حرف الف کے عدد (ایک) کو منہا کردیں تو ۱۹۰۰ء حاصل ہوتا ہے جو کتاب کی تاریخ اشاعت ہے۔

رومی کی مثنوی کی اہم حکایات کا موثر ترجمہ کیا گیا تھا اس لیے پیرزادہ عارف کی داد دیتے ہوئے ان کے ترجمے کی کتاب کا مادۂ تاریخ یوں نکالا ہے۔

روح فردوس میں رومی کی دعا دیتی ہے      آپ نے خوب کیا اور اسے خوب لکھا
دردمندانِ محبت نے اسے پڑھ کے کہا      نقشِ تسخیر پئے طالب و مطلوب لکھا
ہاتفِ غیب کی امداد سے میں نے اقبال      بہرِ تاریخ اشاعت ''سخنِ خوب'' لکھا

مرکب لفظ (سخن خوب) سے تاریخ اشاعت ۱۳۱۸ھ برآمد ہوتی ہے۔

''پیسہ'' اخبار کے مدیر محبوب عالم سے اقبال کو بڑی محبت تھی وہ اقبال کے بزرگ دوستوں میں تھے۔ ۱۸۶۳ء میں پیدا ہونے والے محبوب عالم کا انتقال ستر برس کی عمر میں ۲۳/ مئی ۱۹۳۳ء کو لاہور میں ہوا۔ اقبال بھاری دل سے ان کے جنازے میں شریک رہے اور ان کے انتقال پر ایک قطعہ سے مادۂ تاریخ نکالا۔ یہ قطعہ محبوب عالم کے مزار کے کتبے پر درج ہے۔

سحرگاہاں بگورستاں رسیدم      دراں گورے پُر از انوار دیدم
زہاتف سالِ تاریخش شنیدم      معلّیٰ تربتِ محبوبِ عالم

آخری مصرعہ سے تاریخ وفات ۱۳۵۱ھ برآمد ہوتی ہے۔

سرسید کے پوتے سر راس مسعود تو علامہ اقبال کے قریب ترین دوستوں میں رہے۔ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے تھے گویا وہ اقبال سے عمر میں بارہ برس چھوٹے تھے لیکن اقبال سے آٹھ ماہ پہلے ہی ۱۵/ اگست ۱۹۳۷ء کو اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ اقبال نے ان کے مرنے پر کوئی قطعہ تو نہیں نکالی کہ خود اقبال آخری عمر میں صاحب فراش تھے۔ البتہ سر راس مسعود کے ہاں جب ایک لڑکی تولد ہوئی تو اقبال نے اس کی برجستہ تاریخ نکالی تھی:

راس مسعود جلیل القدر کو      جو کہ اصل و نسل میں ممدود ہے
یادگار سید والا گہر      نور چشم سید محمود ہے
راحت جان و جگر دختر ملی      شکر خالق ، منت معبود ہے
خانداں میں ایک لڑکی کا وجود      باعث برکات لا محدود ہے

کس قدر برجستہ ہے تاریخ بھی
با سعادت دختر مسعود ہے

آخری مصرعہ سے ۱۹۳۷ء برآمد ہوتا ہے۔

منشی محمد دین فوق مدیر اخبار کشمیری سے اقبال کے قریبی دوستانہ تعلقات تھے، وہ ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۴/ اگست ۱۹۴۵ء کو یعنی اقبال کی وفات کے سات سال بعد انتقال کر گئے۔ ستمبر ۱۹۰۹ء میں فوق کا پہلا مجموعہ شائع ہوا تھا، ''کلام فوق''۔ ان کے کلام کی خوبیوں کے اقبال معترف تھے اور ان کے مجموعہ کلام کی اشاعت پر تاریخ بھی نکالی۔

جب چھپ گیا مطبع میں یہ مجموعۂ اشعار ؎ معلوم ہوا مجھ کو بھی حالِ نظرِ فوق
شستہ ہے زباں، جملہ مضامین ہیں عالی ؎ تعریف کے قابل ہے خیالِ نظرِ فوق
تاریخ کی مجھ کو جو تمنا ہوئی اقبال ؎ ہاتف نے کہا لکھ دے ''کمالِ نظرِ فوق''

''کمال نظرِ فوق'' سے ۱۳۲۷ھ برآمد ہوتا ہے جو تاریخ اشاعت کلام فوق ہے۔ نظر (ض) سے ہے یہ مادۂ ہائے تاریخ اقبال کی فکر رسا کے دل کش نمونے ہیں۔

''زندہ رود'' (ڈاکٹر جاوید اقبال) اور ''دانائے راز'' (نذیر نیازی) کے مطابق علامہ اقبال کی پہلی بیوی کریم بی بی ایک امیر گھرانے کی فرد تھیں انہوں نے گجرات کے محلہ شال بافاں کی ایک ایسی حویلی میں پرورش پائی جو کسی محل سے کم نہ تھی، ان کے والد ڈاکٹر عطا محمد کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے اولین سند یافتہ طلبہ میں سے تھے۔ جدہ میں حکومت برطانیہ کی طرف سے نائب قونصل رہ چکے تھے پھر پنجاب کے مختلف اضلاع میں سول سرجن کی حیثیت سے تعینات رہے جہاں کہیں بھی رہے بڑی شان و شوکت سے رہے، دولت کی فراوانی کے باوجود بڑے دین دار، عبادت گزار اور نیک انسان تھے عوام میں بہت مقبول تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹوپیوں کا کاروبار کرنے والے غریب شیخ نور محمد عرف شیخ نتھو جیسے صوفی منش کے بیٹے محمد اقبال سے اپنی نازوں پلی بیٹی کریم بی بی کا نکاح کر دیا۔ اس وقت اقبال صرف سولہ سال کے اور کریم بی بی انیس سال کی تھیں۔ اقبال اور کریم بی بی کے مزاجوں کے فرق کی وجہ سے دونوں میں نباہ نہ ہوسکا۔ اقبال سے کریم بی بی نے طلاق تو نہ لی مگر علاحدگی اختیار کر لی۔ ہر چند کہ اقبال سے ان کے ہاں معراج بیگم اور آفتاب اقبال پیدا ہوئے جو ننھیال کے ساتھ اپنی دولت مند ننھال میں پلے بڑھے۔ پہلی بیوی سے قطع تعلق کی وجہ سے اقبال دوسری شادی کرنا چاہتے تھے چنانچہ ۱۹۱۰ء میں سردار بیگم سے ان کا نکاح ہوا۔ سردار بیگم اور ان کے بھائی خواجہ عبدالغنی دونوں بچپن

ہی میں یتیم ہوگئے تھے۔اور لاہور کے موچی دروازے کے ایک غریب کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ان یتیموں کی پرورش ان کی پھوپی نے کی، پھوپھا ضلع کچہری میں معمولی عرضی نویس تھے سردار بیگم کسی اسکول نہ جاتی تھیں انہوں نے گھر پر ہی قرآن مجید اور معمولی اردو کی تعلیم حاصل کی تھی، خواجہ عبدالغنی قالین بیچ کر پیٹ پالتے تھے۔نکاح کے وقت سردار بیگم بھی انیس برس کی تھیں جب کہ اقبال ان سے تقریباً دگنی عمر کے تھے۔(خالد نظیر صوفی کی تحقیق کے مطابق علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش ۲۹/دسمبر ۱۸۷۳ء)ابھی رخصتی ہونے بھی نہ پائی تھی کہ سردار بیگم کے خلاف کچھ گم نام خطوط اقبال کو ملے اور اقبال بدظن ہوکر رخصتی کا معاملہ ٹالتے رہے حتی کہ طلاق دینے کا ارادہ تک کرلیا۔

اسی اثنا لدھیانہ کے ایک متمول کشمیری گھرانے کے ''نولکھا'' خاندان کی صاحب زادی مختار بیگم سے ۱۹۱۳ء میں اقبال کی تیسری شادی ہوئی۔غلط فہمیوں کے ازالے کے بعد مختار بیگم کی مرضی سے اقبال اپنی دوسری بیوی سردار بیگم کو بھی تجدید نکاح کے بعد گھر لے آئے۔اس طرح یہ دونوں بیویاں ایک ہی گھر میں اقبال کے ساتھ (انارکلی لاہور) میں مل جل کر رہنے لگیں۔پہلی بیوی بھی چند دن اس گھر میں رہ کر اپنے میکے لوٹ گئیں۔

شادی کے دس گیارہ برس تک دونوں بیویوں کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ دونوں ایک ساتھ امید سے ہوئیں چنانچہ ۵/اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سردار بیگم کے ہاں جاوید اقبال پیدا ہوئے اور مختار بیگم زچگی کے دوران اپنے میکے لدھیانہ میں ۱۲/اکتوبر ۱۹۲۴ء (مطابق ۱۳۴۳ھ) کو انتقال کرگئیں وہیں تدفین بھی عمل میں آئی۔علامہ اقبال کسی قادری سلسلے کے امام کے ذریعے مختار بیگم کی نماز جنازہ پڑھوانا چاہتے تھے مگر نہ ملنے کی وجہ سے خود ہی نماز جنازہ پڑھائی۔اقبال نے اپنے دوست مولانا غلام قادر گرامی سے گزارش کی تھی کہ مختار بیگم کے لیے قطعہ تاریخ وفات کہہ دیں مگر پھر اقبال ہی نے لدھیانہ میں تین شعر کا ایک قطعہ تاریخ وفات لکھا جو مختار بیگم کی لوح مزار پر کندہ ہے جس کے آخری مصرعے سے ہجری سن ۱۳۴۳ھ برآمد ہوتا ہے۔

اے دریغا ز مرگ ہم سفرے دل من در فراق او ہمہ درد
ہاتف از غیب داد تسکینم سخن پاک مصطفٰے آورد
بہر حال رحیل او فرمود بشہادت رسید و منزل کرد

مختار بیگم کے انتقال کے گیارہ برس بعد والدۂ جاوید سردار بیگم کا لاہور میں ۲۳/ مئی ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ھ انتقال ہوا۔ قبرستان بی بیان پاک دامناں ایمپرس روڈ لاہور کے بلند ٹیلے پر ان کی پختہ قبر موجود ہے اور علامہ اقبال کا لکھا ہوا قطعہ تاریخ وفات لوح مزار کی زینت ہے جس کے آخری مصرعہ کے آخری دو لفظوں سے سردار بیگم کی تاریخ وفات اقبال نے نکالی ہے:

راہی سوئے فردوس ہوئی مادر جاوید لالے کا خیاباں ہے مرا سینۂ پُر داغ

ہے موت سے مومن کی نگہ روشن و بیدار اقبال نے تاریخ کہی "سرمۂ مازاغ"

"سرمۂ مازاغ" سے ۱۳۵۴ھ تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ قرآن کے سورۂ نجم کی آیت ۱۷ "مازاغ البصر و ماطغیٰ" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اقبال درون خانہ از خالد نظر صوفی مطبوعہ اقبال اکاڈمی پاکستان ۲۰۰۳ء)

اقبال کی پہلی بیوی کریم بی بی (والدۂ آفتاب اقبال) علامہ اقبال کے انتقال کے بعد بھی تقریباً ۹ نو برس حیات رہیں اور ۲۸/ فروری ۱۹۴۷ء کو تقریباً چوہتر برس کی عمر میں دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ ان کی تدفین معراج دین قبرستان لاہور میں ہوئی۔ اگر اقبال کی زندگی میں ان کا انتقال ہوا ہوتا تو ممکن تھا کہ بہ تقاضائے انصاف علامہ اقبال ان کے لیے بھی قطعہ تاریخ وفات کہہ دیتے۔

---

## مآخذ


(۱) "مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی"، مرزا فرحت اللہ بیگ مطبوعہ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۱ء۔

(۲) "اسرار و رموز" سید احمد ایثار۔ ایثار پبلشنگ ہاؤز ٹرسٹ بنگلور سال اشاعت ۲۰۰۸ء۔

(۳) "اپنا گریباں چاک" خودنوشت سوانح ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ۲۰۰۶ء (اضافہ شدہ ایڈیشن)۔

(۴) "معاصرین، اقبال کی نظر میں" محمد عبداللہ قریشی۔ مجلس ترقی ادب لاہور نومبر ۱۹۷۷ء۔

(۵) اقبال درون خانہ، خالد نظیر صوفی، اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۰۳ء۔

(۶) احسن البیان۔ تفسیر و ترجمہ قرآن مجید، مطبوعہ۔ شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلکس، مدینہ منورہ ۱۴۱۷ھ۔

# حج کے سفرناموں میں سماجی اور تہذیبی نقوش

ڈاکٹر محمد شہاب الدین

اردو میں حج کے سفرناموں کی تاریخ ۱۸۴۸ء سے شروع ہوتی ہے، جب سید شاہ عطا حسین فانی گیاوی نے ''دید مغرب المعروف بہ ہدایت المسافرین'' (قلمی) کے نام سے اپنا حج نامہ تحریر کیا۔ البتہ اردو کا اولین مطبوعہ حج نامہ ۱۸۷۱ء میں ''ماہ مغرب المعروف بہ کعبہ نما'' کے نام سے میرٹھ سے شائع ہوا، جس کے مصنف حاجی منصب علی خان تھے۔ اس کے بعد جو یہ مبارک سلسلہ شروع ہوا تو ایک اندازے کے مطابق حج کے سفرناموں کی تعداد اب چار سو سے زیادہ ہے۔

یہ سفرنامے دوسرے سیاحوں کی رودادوں سے یوں ممتاز ہیں کہ ان میں ارض حجاز کے جو بھی مناظر ہیں وہ عقیدت ومحبت کی نظر کا نتیجہ ہے، اس کے باوجود، بری وبحری سفر کے حالات قرنطینوں کی پریشانی، صحرائے حجاز کی مشکلات کا ذکر بھی، کعبہ، مکہ مکرمہ، مقامات حج، مدینۂ منورہ اور دیگر مقامات مقدسہ کے حالات وواقعات کے داخلی تاثرات وکیفیات کے ساتھ ملتا ہے، حجاز کی جغرافیائی، تاریخی اور سیاسی صورت حال کے علاوہ وہاں کی سماجی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی کی تصویر کشی پر بھی توجہ کی گئی ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید عہد کے سفرناموں کی بہ نسبت ابتدائی اور درمیانی عہد کے حج ناموں میں یہ رجحان زیادہ نمایاں ہے۔

ان میں حجاز کی سماجی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی کے نقوش تلاش کیے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بدوؤں کی قتل وغارت گری، ان کے مزاج اور خصوصیات کی تصویر کشی نمایاں ہے۔ اسی کے ساتھ اہل حجاز کے لباس، طرز زندگی، مکانات، شادی بیاہ، کثرت طلاق، قہوہ خانوں اور حمام کی باتیں بھی

---

پروجیکٹ فیلو، سینٹر آف ایڈوانسڈ اسٹڈی، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

ہیں۔اہل حجاز کی عید کی رسموں، رمضان کے معمولات وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔ترکی عہد میں قبروں پر قبوں کی موجودگی، بدعات اور مکہ و مدینہ میں محفل میلاد کے انعقاد کے علاوہ جدہ میں شراب کی دوکانوں کی موجودگی کا بھی ذکر ہے۔ذیل میں ان سفرناموں کا ایک اجمالی جائزہ پیش ہے۔

بدوؤں کی قتل و غارت گری: انیسویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے وسط تک لکھے جانے والے حج ناموں میں بدوؤں کے ذہن و مزاج، کردار، خصوصیات اور ان کی ابتر سماجی حالت کا ذکر نمایاں شکل میں نظر آتا ہے۔ بدوؤں کے حالات اس کثرت سے لکھے گئے ہیں کہ اس عہد کا شاید ہی کوئی حج نامہ ان کی باتوں سے خالی ہو۔دراصل انیسویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے ربع اول تک تقریباً ۷۵ سال کے عرصے میں حجاز کا سب سے بڑا مسئلہ لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کا تھا۔اس عہد کے حج ناموں میں جغرافیائی مشکلات کے علاوہ جان و مال کا یہ مسئلہ ضرور ملتا ہے۔مرزا عرفان علی بیگ کے ''سفرنامہ حجاز'' (مطبوعہ ۱۸۹۵ء) میں حجاج کے قتل کے ایک دردناک واقعہ کی تصویر کشی یوں ہے:

> ''........ابھی جو قافلہ مدینہ منورہ سے قبل از حج لوٹا ہے، اس میں بہت سے ہندوستانی گم ہیں۔بعضوں کے قتل کی توچشم دید حکایتیں میں نے خود سنی ہیں۔ایک بڑھیا کو روتا دیکھ کر میرے آنسو نکل پڑے۔جب اس نے ذکر کیا کہ صرف دو آنے پیسے اس کے شوہر کے پاس تھے، جو کمر میں ڈالے پیشاب کو اترا تھا، مگر پھر نہیں لوٹا''۔(۱)

اردو کے اولین مطبوعہ سفرنامے کے مصنف حاجی منصب علی خان نے بھی ''ماہ مغرب'' (مطبوعہ ۱۸۷۱ء) میں بدوؤں کے ذریعہ قتل و غارت گری کا ذکر کیا ہے۔انہوں نے لکھا کہ بیرون شہر مکہ ایک تالاب ہے، جہاں نہاتے وقت بدو حجاج کے رکھے ہوئے کپڑے اٹھالے جاتے ہیں اور اگر ان کا تعاقب کیا جائے، تو وہ سنگ سار کردیتے ہیں۔ابتدائی حج نامہ نگاروں میں سے ایک مولوی دلاور علی وکیل نے بھی ''سیاحت الحرمین بہ زیارت الثقلین'' (سفر ۱۸۹۳ء) میں مکہ اور منیٰ کے درمیان بدوؤں کے حملے میں بہت سے لوگوں کے مارے جانے کا ذکر کیا ہے۔(۲) یہ مسئلہ اور بھی قدیم ترین حج ناموں میں ملتا ہے۔سوا دو سو سال قبل کے مراکشی عالم شیخ عبدالسلام الدرعی کے

''سفرنامۂ حج'' میں بھی، جس کا اردو ترجمہ موجود ہے، مقامات حج تک کے غیر محفوظ ہونے کا ذکر موجود ہے۔ شیخ الدرعی منیٰ کی روداد میں لکھتے ہیں:

''.......اپنے مطوف کے اصرار کی بنا پر اور اس لیے کہ ہمارے پاس موم بتیاں بھی نہ تھیں، اور اپنے دفاع کے لیے کوئی سامان نہ تھا، رات تاریک تھی اور کیڑوں اور زہریلے جانوروں کا بھی خطرہ تھا اور متواتر خبریں ایسی سننے میں آئی تھیں کہ رات کو لٹیرے آتے ہیں، اور حاجیوں کو قتل کر دیتے ہیں، اس لیے بادل نخواستہ مغرب کی نماز پڑھتے ہی عرفہ کی طرف کوچ کیا اور راستہ بھر اللہ کی امان و حفاظت طلب کرتے رہے.......''۔(۳)

مذکورہ عہد کے بدوؤں کی ایک منفی تصویر سامنے آتی ہے، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ سارے اُجڈ، ظالم اور لٹیرے تھے۔ متعدد حج ناموں میں ان کی غیرت وحمیت، خودداری اور جفاکشی کے تذکرے بھی موجود ہیں (۴) ایک زائر حجاز خداداد خان نے جنھوں نے اپنے سفر کا بڑا حصہ پیدل طے کیا تھا، اپنے سفرنامہ ''حج خداداد'' میں بدوؤں کی مہمان نوازی کا حال قلم بند کیا ہے، جس سے ان کی مثبت تصویر سامنے آتی ہے۔ ذیل کی دلچسپ عبارت ملاحظہ ہو:

''....... میں بہت تھک گیا تھا، اس لیے نماز پڑھ کر لیٹنے لگا کہ وہ میرے لیے آدھا پاؤ بکمز (ثرید) یعنی کھجوروں کا حلوہ لایا اور اس کے بچے رو رہے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ اس کے گھر کھانے کو یہی کچھ ہے، جو وہ میرے لیے لے آیا اور بچے بھوکے رو رہے ہیں۔ میں انکار کرتا تھا، لیکن اس نے اصرار کر کے پلا ہی دیا۔ میں پی کر سویا، معلوم نہیں کتنی دیر کے بعد مجھ کو اٹھایا گیا، دیکھا کہ تین بچے اور ایک عورت اور ایک مرد میرے چاروں طرف بیٹھے ہیں۔ اگر میں نیند میں نہ ہوتا تو ڈر کر بھاگنے لگتا یا طاقت کے زعم میں لڑنے لگتا کہ شاید یہ آدم خور مجھے کھانے کو بیٹھے ہیں، کہ ایک بڑا سا لکڑی کا پیالہ جس میں دو سیر، تین سیر چاول ہوں گے، میرے سامنے رکھ کر اصرار کیا جانے لگا۔ سخت اصرار پر تین چار لقمہ کھایا اور لیٹ گیا، دیکھا کہ جس طرف سے پیالہ میں میں نے ہاتھ ڈال کر کھایا تھا، اسی طرف سے وہ بدو

لقمہ بنابنا کر اپنے بیوی بچوں کو دیتے ہوئے یہ کہتا جاتا کہ یہ برکت کا ہے، کھاؤ! اور خودآپ اسی پس خوردہ جگہ سے کھاتا جارہا تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ حاتم کو سنا تھا اوران کو دیکھا ہے......."۔(۵)

بردہ فروشی: انیسویں صدی کے نصف آخر کے حجاز کا ایک اوراہم مسئلہ بردہ فروشی رہا ہے۔ اس دورتک حجاز میں غلاموں کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری تھا۔نواب سکندربیگم، حاجی منصب علی خان اور مرزاعرفان علی بیگ نے اپنے حج ناموں میں اس کا ذکر کیا ہے۔مرزاعرفان علی بیگ کے "سفرنامۂ حجاز" (مطبوعہ ۱۸۹۵ء) میں غلاموں کے بازار کی تصویر نظر آتی ہے۔لکھتے ہیں:

"مسجد حرم سے باہر نکلتے ہی لونڈی غلاموں کا بازار ملا۔کچھ حبشی لونڈی ،غلام فروخت کو موجود تھے۔بردہ فروشی کا انسداد اس ملک میں ہنوزنہیں ہوا، گو اس قدر تحقیقات سے معلوم ہوا کہ نئے لونڈی، غلام بڑی مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں اوراس دقت کے پیش آنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سواحل بحرقلزم پر سرکارانگلشیہ کی جانب سے روک ٹوک زیادہ ہے........."۔(۶)

"ماہ مغرب" (مطبوعہ ۱۸۷۱ء) میں منصب علی خاں نے بھی غلاموں کے بازار کے مناظر بیان کیے ہیں۔انہوں نے اس رسم کی موجودگی کے اسباب جاننے کی کوشش بھی کی مگر وہ اس میں پوری طرح کامیاب نظرنہیں آتے ہیں۔لکھتے ہیں:

"......انہوں نے یہ جواب دیا کہ ملک عرب کے کنارے پر حبشی، شیدی وغیرہ کفار بستے ہیں،ان سے جو لڑائی ہوتی ہے، بندے لاکر فروخت کردیتے ہیں مگر درباب قوم گرجی بعض نے سکوت کیا۔کیا معنی کہ کل گرجی اصل میں مسلمان ہیں، ان کے باپ ، بھائی اپنے صغیرسن بچوں کو جونہایت خوبصورت اور حسین ہوتے ہیں، بہ قیمت گراں بیع کردیتے ہیں ........"۔(۷)

شراب نوشی: انیسویں صدی کے نصف آخر کے حج ناموں میں جدہ میں شراب کی دوکانوں کی موجودگی کا ذکر بھی ملتا ہے۔نواب سکندربیگم،محمد زردارخاں اورمحمد حفیظ اللہ کے حج ناموں میں اس کا ذکر ہے۔محمد زردارخان نے حجاز میں کھلے عام افیون فروخت ہونے کا ذکر بھی کیا ہے اورلکھا

ہے کہ اسے نشہ میں شمار نہیں کرتے ، واللہ اعلم بالصواب ۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"......جدہ شریف میں دیکھا گیا کہ دو چار دوکان انگریزوں کی شراب کی ہیں اور کعبہ شریف میں ایسی ممانعت ہے کہ اگر کوئی خبر شراب پینے کی معلوم ہو جائے تو چودھ سال کی قید پا بجولاں و با مشقت ہوتی ہے۔ بعد میعاد کے وہ شخص شہر سے خارج کیا جاتا ہے مدت العمر تک اور قید سلطانی بہت سخت دیکھی گئی ہے، یعنی ایک زنجیر میں دو شخص ہوتے ہیں اور تمام نشہ کی چیزوں کی ایسی ممانعت ہے جیسی کہ شراب کی لکھی گئی ہے، لیکن افیون تو ظاہر فروخت ہوتی ہے، اس کو نشہ میں شمار نہیں کرتے .........."۔(۸)

محمد حفیظ اللہ کے سفر نامہ سے اس صورت حال کا اور زیادہ علم ہوتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ۱۳۱۰ھ میں جدہ میں انگریزوں نے شراب خانہ قائم کیا تھا، لیکن جب عثمان پاشا مکہ کے گورنر بن کر آئے تو شراب خانہ بند کر دیا اور مے فروشوں کو سزائیں دیں۔(۹)

**مکانات، طرز نشست و برخاست:** کسی ملک اور خطے کی ثقافتی زندگی میں مکانات، رہن سہن، طرز نشست و برخاست، لباس، اشیا خورد و نوش اور دیگر رسوم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اس سے اس خطے کے لوگوں کے ذوق و ذہن و مزاج کا اندازہ ہوتا ہے اور زندگی گزارنے کے متعلق ان کا رویہ سامنے آتا ہے۔ حج کے سفر ناموں میں بھی یہ چیزیں نمایاں شکل میں موجود ہیں۔ جن میں حجاز کی زندگی کے ان ثقافتی مظاہر سے واقف ہونے اور پھر ان کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

محمد عمر علی خان کے حج نامہ "زاد غریب" (مطبوعہ ۱۲۹۳ھ/ ۹۶۔۱۸۹۵ء) اور منصب علی خان کے "ماہ مغرب" (مطبوعہ ۱۸۷۱ء) میں حجاز کے مکانات اور وہاں کے لوگوں کی طرز رہائش اور نشست و برخاست کی تفصیلات ہیں۔ زاد غریب سے جدہ کی آبادی، مکانات اور وہاں کے بازار کی طرز تعمیر کی تفصیلات سامنے آتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کی آخری دہائی میں جدہ کی آبادی ۱۵ سے ۲۰ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ وہاں کئی منزلہ مکانات تھے، شہر کی گلیاں تنگ تھیں اور بازار کے راستے چھت دار تھے۔ مصنف لکھتے ہیں:

"......ایک شہر مختصر قریب ۱۵ یا ۲۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے ہوگا۔

مکانات بلند بلند، کوچہ تنگ، بازار اوپر سے لکڑی سے پٹا ہوا۔ وسط شہر میں بازار سے ملی ہوئی جامع مسجد ہے.........‘‘۔(۱۰)

انیسویں صدی کے نصف آخر میں جدہ میں جس طرح کئی کئی منزلہ عمارتیں ہوا کرتی تھیں، اسی طرح اس عہد کے مکہ میں بھی کئی منزلہ عمارتیں بنانے کا رواج تھا۔ ماہ مغرب کے مطابق ان عمارتوں میں چاروں طرف چوبی اور منقش دروازے ہوا کرتے تھے اور ان میں صحن کا رواج نہیں تھا۔ چار پائی کا رواج بہت کم تھا اور سونے اور بیٹھنے کے لیے نفیس اور ملائم فرش بچھے رہتے اور خوبصورت تکیے دیواروں سے لگے رہتے تھے۔ حاجی منصب علی خان اس بابت لکھتے ہیں:

’’مکہ معظّمہ میں مکانات کئی کئی منزل بلند، ہر درجہ میں چاروں طرف چوبی دروازے، خوش نما، منقش ہوا کے واسطے ہوتے ہیں۔ ان مکانات میں صحن نہیں ہوتا، کوئی موسم ہو مخلوق مکانوں کے اندر رہتی ہے۔ چار پائی کا رواج بہت کم ہے، بلکہ نہیں ہے۔ اس کے بدلے گدّے بہت ملائم، نفیس، طرح بہ طرح چھینٹوں کے، دیوار سے لگا کر بچھاتے ہیں۔ درمیان میں قالین، چٹائی کا فرش ہوتا ہے۔ تکیے تین فٹ لمبے، دو فٹ اونچے، بوٹہ دار چھینٹ کے، جو اسی کے لیے مخصوص ہیں، دیواروں سے لگے رہتے ہیں اور روشنی کو چربی کی بتّی ولایتی یا تیل کیروسائین کی قسم، شیشے کے لیمپ میں جلاتے ہیں، جس میں دھواں نہیں ہوتا اور مکانات سے عفونت ہوا دور کرنے کو ’اگر‘ وغیرہ خوشبوئیں بخور کرتے ہیں.......‘‘۔(۱۱)

ماہ مغرب سے تقریباً تینتیس سال بعد ۱۹۰۵ء میں جب ڈاکٹر نور حسین صابر کا ’’رفیق الحجاج‘‘ شائع ہوا تو انھوں نے بھی سونے کے لیے زمین پر فرش بچھانے کے رواج کا ذکر کیا، البتہ اس میں جرمن فرنیچر کی موجودگی اور اس کی وقعت کا ذکر بھی آتا ہے:

’’.....مکانات کو تو عجیب طرح سے سجایا جاتا ہے۔ جرمن و فرنچ فرنیچر و سامان آرایشی کو زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، مکانوں میں اونچے بسترے، نفیس و قیمتی لگا کر زمین پر سوتے ہیں اور تکیے گاؤ تکیے کا رواج عام ہے.....‘‘۔(۱۲)

**لباس:** حج ناموں میں اہل حجاز کے لباس کے بارے میں بھی تفصیلات تحریر کی گئی ہیں۔

انہوں نے مردوں بالخصوص عورتوں کے لباس، ان کی ہیئت اور آرائش پر گفتگو کی ہے اور عربوں اور ترکوں کے لباس کی صفائی سے متعلق بھی معلومات تحریر کی ہیں۔ ماہ مغرب میں منصب علی خان نے اہل مکہ کے لباس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اہل مکہ معظّمہ لباس عمدہ، رنگین، مثل بانات، قیمتی صوف وغیرہ پہنتے ہیں.......''۔(۱۳)

نورحسین صابر اور نواب سکندر بیگم نے لباس کی صفائی کا ذکر کیا ہے۔ نورحسین صابر لکھتے ہیں:

''......عرب لوگوں کا گزران اعلیٰ درجہ کا امیرانہ ہے۔ لباس وخوراک میں صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے .........''۔(۱۴)

نواب سکندر بیگم نے اپنے قلمی سفرنامۂ حج ''یادداشت تاریخ وقائع حج'' (۱۸۶۴ء) میں مکہ کے ترکوں کے میلے لباس استعمال کرنے کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتی ہیں:

''........ترک لوگ میلے کپڑے رکھتے ہیں اور موٹا کھانا کھاتے ہیں......''۔(۱۵)

لباس کے باب میں بعض حجاج نے عورتوں کے لباس کے بارے میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ عمر زاد غریب میں انیسویں صدی کے آخر کے مکہ کی عورتوں کے لباس کی تصویر سامنے آتی ہے۔ یہاں مصنف کی دلچسپی، جزئیات نگاری اور زبان کی ثقالت کا اظہار بھی ہوتا ہے:

''........مدورہ: دوپٹہ ہوتا ہے، طول اور عرض مربع، اکثر بطور لنگی کے ہوتا ہے۔ کونوں پر اس کے آویزے ہوتے ہیں۔ ٹوپ: کرتہ دراز آستین۔ محرمہ: رومال سر بندھنی، صدریہ، سروال: پائجامہ تنگ بغیر چوڑی، جس میں ترگید لگاتے ہیں، یعنی گوٹا کا کام نصف ساق تک سیون کے ایک ایک انگل دونوں جانب کرتے ہیں اور پائچوں پر کنگورہ دار لیس ٹانکتے ہیں۔ برقعہ: ایک کپڑا ہوتا ہے بالشت سے زیادہ چوڑا، لانبا تابہ زانو جو ناک کے اوپر باندھتے ہیں۔ ملایہ: سب سے اوپر اوڑھنے کی چادر کو کہتے ہیں .........''۔(۱۶)

ڈاکٹر نورحسین صابر نے بھی خواتین کے لباس کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے محمد عمر علی خان کی

جزئیات نگاری سے الگ انداز اپنایا ہے۔ ان کا مشاہدہ ایک حقیقی سیاح کی طرح نظر آتا ہے، چنانچہ انہوں نے اس سفر مقدس میں بھی اپنی آنکھوں کو ہر منظر کے لیے کھلا رکھا ہے اور اگر کہیں کوئی خوبی و دل آویزی نظر آئی تو اسے بڑی سچائی سے بیان کر دیا۔ ایک جگہ انہوں نے مدنی اور ترک خواتین کے حسن اور ناز و ادا کی تصویر کشی کی ہے۔ اور کچھ اس طرح کی ہے:

> ”.......یورپین گرگابی یا پشاوری سلیپر، ٹانکے دار زریں بخاری پاجامہ، لمبے کرتے، فیشنیبل برقعہ، سنہری کمر بند، پر تکلف بغدادی چادر، نرم کلائی، سمائد سیمیں، نازک ادائیں، مٹک چال، یہ وہ چیزیں ہیں جو ایک حسن پرست کو تڑپا دیتی ہیں.........“۔(۱۷)

ایک حیدر آبادی زائرہ امۃ الغنی نور النساء کے ”سفر نامۂ حجاز، شام و مصر“ (۱۹۰۹ء) میں اسی سلسلہ میں کرب کا اظہار بھی سامنے آتا ہے۔ لکھتی ہیں:

> ”......یہاں کی عورتوں نے اپنا لباس اور ملکوں کی عورتوں کی طرح تبدیل کر دیا ہے۔ سینہ وغیرہ عیسائیوں کی طرح کھلا رکھتی ہیں.......“۔(۱۸)

قہوہ خانے: ان سفر ناموں سے عربوں کی زندگی میں قہوہ، قہوہ خانوں، چائے اور حقے وغیرہ سے دلچسپی سامنے آتی ہے۔ نور حسین صابر لکھتے ہیں:

> ”......حقہ نوشی بہ کثرت ہے۔ ایک قسم کا طویل، لمبا حقہ مشہور ہے۔ قہوہ، چائے بغیر دودھ کے عرب کی خوراک میں شامل ہے اور مہمان کو سب سے اول اسی کی خاطر کی جاتی ہے.........“۔(۱۹)

انیسویں صدی کے آخر میں حجاز میں قہوہ خانوں کی اہمیت کا ذکر حاجی علیم الدین کے حج نامے میں بھی ہے۔ اس سے وہاں قہوہ خانوں کی کثرت اور گرمی کے موسم میں بطور خاص تفریحی مقامات کے قہوہ خانوں میں لوگوں کے رات کو سونے کا علم بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے ”رسالہ حج“ (مطبوعہ ۱۸۹۲ء) میں لکھا ہے:

> ”......ملک عرب میں دستور ہے کہ ہر محلے اور عام گزرگاہ اور مکانات تفریح پر کسی مکان یا دوکان میں سرراہ قہوہ خانہ قائم کر لیتے ہیں۔ بیٹھنے کا سامان ملکی

رواج کے مطابق ہوتا ہے۔ ہر آدمی بلاتمیز و تخصیص اس میں جاسکتا ہے اور جو چیز چائے، قہوہ، حقہ، منظور ہو، طلب کرسکتا ہے۔ مہتمم قہوہ خانہ بلا عذر ہر چیز مطلوبہ پیش کرے گا اور جب تک دل چاہے بیٹھے رہیے، وہ متقاضی نہ ہوگا...... گرمی کے موسم میں اکثر عرب ایسے قہوہ خانوں میں جو کنارۂ شہر پر یا زیادہ آنے کے موقع پر واقع ہیں، رات کو سو یا بھی کرتے ہیں.........''۔(۲۰)

حمام: عرب دنیا میں حمام کی تہذیبی روایت رہی ہے۔ مسافران حرم کی نگاہ سے یہ گوشہ اچھوتا نہیں رہا۔ سو سال قبل کے حجازی حمام خانوں کی ایک جھلک مولانا ابوالقاسم بنارسی کے سفرنامے میں ملتی ہے۔

''یہاں کے لوگ زیادہ تر حمام میں غسل کرنے کے خوگر ہیں۔ عجیب و غریب طرز کے حمام خانے بنے ہوئے ہیں۔ سنگ مرمر کا فرش، متعدد نہلانے والے، اچھی لنگیاں، ٹرکش ٹاول (بڑے تولیے) استعمال کے لیے دی جاتی ہیں۔ ہر ایک غسل کے موقع پر دو دو ٹوٹیاں لگی ہیں۔ ایک سے گرم پانی، دوسرے سے ٹھنڈا پانی آتا ہے .........''۔(۲۱)

شادی اور طلاق: سفرناموں میں حجاز کی شادی بیاہ اور اس کی رسموں کا بھی کہیں تفصیل اور کہیں جزئیات کے ساتھ ذکر ہے۔ عبدالرحیم نقش بندی کے ''سفر حرمین الشریفین وذکر مدینہ منورہ'' (مطبوعہ ۱۹۱۲ء) سے بیسویں صدی کے ربع اول کے حجاز میں شادی کی کچھ رسموں کا علم ہوتا ہے۔

''........پچھلی رات برات آتی ہے۔ دولہا مع چند مستورات دلہن والے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ جب دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوتے ہیں، تب دلہن اپنا منہ کھول دیتی ہے۔ اس وقت سوائے دولہا اور چند ہمراہی مستورات کے اور کوئی اس کمرے میں نہیں جاسکتا۔ دولہا دلہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے، اس وقت دونوں طرف کی مستورات جمع ہوکر حمد و نعت پڑھتی اور گاتی ہیں۔ بعد سب لوگ فریقین کو مبارک باد دیتے ہیں۔ صبح کو قبل از طلوع آفتاب دولہا دلہن کا بازو پکڑ کر پا پیادہ اپنے گھر لے جاتا ہے اور چند مستورات ہمراہ

جاتی ہیں۔ دلہن اپنے سسرال میں صرف ایک شب رہ کر صبح کو اپنے والدین کے گھر آجاتی ہے۔ ماں باپ اپنی لڑکی کو ایک روز رکھ کر پھر واپس سسرال روانہ کردیتے ہیں"۔(۲۲)

شیخ فضل الرب نے بھی جن کا حج نامہ "زادالدارین" کے نام سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا، مکہ مکرمہ کی شادی کی رسموں، رواجوں کو بالتفصیل تحریر کیا ہے۔ اس سے بعض خرافات بھی سامنے آتی ہیں۔ انہوں نے چراغاں کرنے، باراتیوں کے ذریعہ بہ کثرت روشنی کی فانوسیں ساتھ لانے (جن کو غلام یا مزدور اٹھائے ہوتے تھے)، بارات میں انار اور مہتابیوں کے چھوڑے جانے، بینڈ باجے کے اہتمام، دونوں گھرانوں کے رشتہ داروں کے ذریعہ اناج، روغن اور دنبے بھیجے جانے، لڑکی کے والد کے ذریعہ داماد کو ولیمہ کے دن گھڑی وغیرہ سلامی میں دینے اور لڑکی کی منہ دکھائی کے وقت کی عجیب عجیب رسموں کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح کی اکثر رسموں کو پڑھ کر اجنبیت محسوس نہیں ہوتی کہ ان کا چلن ہمارے ملک میں آج بھی ہے۔ منہ دکھائی کی رسم کے بارے میں شیخ فضل الرب لکھتے ہیں:

"نماز عصر کے وقت پہلے نوشہ کے ماں و باپ ایک ایک زیور بطور رونمائی کے دیتے ہیں، بعدہ عام برادری کے لوگ مرد و زن ایک ایک دو دو اشرفیاں، خواہ روپے، جو جس کی لیاقت ہو، وہ پیشانی دلہن پر کسی لیس دار چیز سے ساٹ دیتے ہیں کہ وے گر کر دامن یا گود میں عروسہ کے جمع ہوجایا کرتی ہیں......"۔(۲۳)

شیخ فضل الرب نے بدوؤں کی شادی کے احوال بھی تحریر کیے ہیں۔ نکاح کے وقت ان کے یہاں رائج ایک رسم کا ذکر یوں کیا ہے:

"........تاریخ مقررۂ شادی پر نوشہ ایک لالٹین روشنی کی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے اور کل بدو اس کے اقران کے، خیمہ میں صاحب دختر کے آتے ہیں اور نکاح بہ دین مَہر قلیل زر نقد کے ہوتا ہے۔ بعد نکاح کے لڑکا اپنے ہاتھ سے ایک دنبہ کا بچہ گواہوں کے سامنے ذبح کرڈالتا ہے۔ جب خون اس کا زمین پر گر پڑتا ہے تب اختتام رسم شادی تصور کی جاتی ہے.........."۔(۲۴)

حجاز میں طلاق کی کثرت کا بھی ذکر ملتا ہے۔ نواب سکندر بیگم نے "یادداشت تاریخ وقائع

حج‘‘( قلمی ۱۸۶۴ء ) میں مکہ کی عورتوں کی طلاق بعد طلاق کے سبب دس تک شادیوں کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ عام طور پر نکاح ایک یا دو سال سے زائد قائم نہیں رہتا (۲۵)۔ اگرچہ دیگر مصنّفین حج نامہ نے بھی کثرت طلاق کا ذکر کیا ہے لیکن ایسی کثرت کی مثال کسی اور حج نامہ میں راقم کی نظر سے نہیں گزری۔

رسم بعد موت: شادی کی رسموں کے علاوہ موت کے بعد ایصال ثواب کے لیے اختیار کیے جانے والے طریقوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ شیخ فضل الرب نے ’’زاد الدارین‘‘ میں ایصال ثواب کی رسم کی تصویر کھینچی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکے میں میت کی تدفین کے بعد تین دنوں تک کلام اللہ پڑھنے اور چوتھے روز محفل میلاد منعقد کرنے اور پھر ایصال ثواب کرنے کا رواج موجود تھا۔ لکھتے ہیں:

> ’’یہاں یہ دستور ہے کہ جس گھر میں میت ہو وہاں بعد مغرب خویش و اقارب، دوست واحباب میت کے دن سے تین روز تک برابر جاتے ہیں اور ایک ایک پارہ کلام اللہ کا پڑھ کر چلے آتے ہیں۔ چلتے وقت ایک ایک پیالی قہوہ کی دی جاتی ہے اور چوتھے روز کہ چہارم کا دن ہے، یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ بعد مغرب جمع ہوئے۔ پہلے سبھوں نے حسب دستور ایک ایک پارہ کلام مجید وفرقان حمید کا پڑھا، بعد اس کے میلاد شریف حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھی گئی اور لوگوں نے بیان ولادت کے وقت قیام کیا۔ بعد اس کے مجلس ختم ہو کر ایک سورہ قل کا پڑھ کر میت کے نام پر فاتحہ کیا اور ایک پیالی قہوہ ایک پیالی چائے و ایک تشتری بتاشہ تقسیم ہوئے، پھر لوگ رخصت ہوئے.........‘‘۔(۲۶)

رسم ختنہ: ’’زاد الدارین معروف بہ قبلہ نما‘‘ میں حجاز میں ختنے کی عجیب عجیب رسموں کا بیان ہے۔ شیخ فضل الرب کے مطابق جس لڑکے کا ختنہ کرانا ہوتا ہے، اسے نفیس ولطیف لباس پہنا کر ایک آراستہ و پیراستہ گاڑی پر سوار کرتے ہیں، جسے خچر کھینچتا ہے۔ لڑکے کے ساتھ دس بارہ ہم سن لڑکوں کو بھی سوار کراتے ہیں۔ سینکڑوں فانوسوں اور موم بتیوں کا انتظام رہتا ہے، جنہیں دوست رشتہ دار لاتے ہیں اور جن کو غلام اٹھائے رہتے ہیں۔ اس جشن میں بینڈ باجے کا نظم بھی رہتا ہے، یہ پورا قافلہ

بارات کی طرز پر بینڈ بجاتا اور مہتابیاں چھوڑتا حرم بیت اللہ کو جاتا ہے، جہاں حرم میں لڑکے کو لے جا کر دعا پڑھاتے ہیں اور پھر گاڑی میں سوار کرکے بازار میں گشت کراتے ہوئے مکان پر لے جاتے ہیں، تب جا کر ختنہ ہوتا ہے۔ صبح کو اس خوشی میں مہمانوں کی دعوت ہوتی ہے۔(۲۷)

شیخ نے بدوؤں میں جاری ختنے سے متعلق ایک عجیب رواج کا ذکر کیا ہے، جس کے مطابق بنی ثقیف کے بدوؤں کا یہ طریقہ ہے کہ ختنے کے وقت زیر ناف کا چمڑا بھی صاف کر دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''بدو کے بعض خاص فرقہ میں ایک جدت یہ ہے کہ سوائے چمڑہ نجس کے کہ جس کا ختنہ کرنا ضرور ہے، زیر ناف کا چمڑا بھی ایک دم اُسترا سے چھیل دیتے ہیں، تا کہ موئے زہار نہ پیدا ہوں، یہ قوم بنی ثقیف کی ہے، جو طائف سے پورب وادی نمل میں رہتی ہے''۔(۲۸)

**لڑکیوں کا ختنہ:** برصغیر میں لڑکیوں کے ختنے کا کوئی رواج نہیں ہے لیکن عرب میں ان کے ختنے کی روایت رہی ہے اور غالباً اب بھی یہ رسم رائج ہے۔ مولانا ابوالقاسم کے ۱۹۱۳ء میں شائع ہونے والے حج نامے ''سفر بیت اللہ'' میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔(۲۹)

**معمولات رمضان:** اہل مکہ کے رمضان المبارک کے معمولات کا ذکر متعدد حج ناموں کی زینت ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں اہل مکہ کے معمولات بالکل تبدیل ہو جاتے تھے۔ لوگ دن کو سوتے اور رات کو جاگتے تھے۔ راحیل شیروانیہ نے اپنے حج نامے ''زادالسبیل'' (۱۹۲۳ء) میں ان تفصیلات کو پیش کیا ہے، جن سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں سرکاری کام کاج بھی رات کو ہی انجام پاتے تھے۔ وہ لکھتی ہیں:

> ''بازار کی چیز رات ہی کو ملتی ہے۔ دوست احباب سے ملنے جائیں تو رات کو اور عورتیں سینا پرونا کریں تو رات ہی کو کرتی ہیں۔ غرض کہ پانچ سال کا بچہ بھی تمام شہر میں مشکل سے سوتا ہوگا۔ سڑکوں پر بچوں کا کھیل ہے تو رات کو ہے اور کسی کام والے کو ضرورت ہو رات کو، غرض رات کیا ہے، گلزار ہوتی ہے، ڈاک رات ہی کو تقسیم ہوتی ہے اور رات ہی کو روانہ ہوتی ہے اور کوئی خاص مقدمہ ہو تو وہ

بھی رات ہی کو حمیدیہ میں فیصل ہوگا، میری رائے میں تو جس مسلمان نے مکہ مکرمہ کے رمضان نہ دیکھے، اس نے دنیا میں کچھ نہ دیکھا''۔(۳۰)

عید: حج ناموں سے مکہ میں عید کی خوشیاں منانے کی رنگارنگ روایت کا علم ہوتا ہے۔ان کے مطابق عید کے کئی روز بعد تک لوگ خوشیاں مناتے ،لباس فاخرہ زیب تن کرتے ،ایک دوسرے کی باہم دعوتیں کرتے ،گھوڑے دوڑاتے اور نیزہ بازی کرتے تھے۔رفیع الدین فاروقی مرادآبادی کے مترجمہ حج نامے ''سفرنامہ حجاز'' سے ۱۷۸۶ء کے مکہ کی عید کی تفصیلات سامنے آتی ہیں۔فاروقی لکھتے ہیں:

''عید کے چار روز بعد تک اظہار نشاط وسرور کرنا اور لباس فاخر کا زیب تن کرنا اہل مکہ کا معمول ہے۔ان ایام میں جمیع سوار و پیادۂ عسکر نیز بدو، دن کے آخری حصے میں دارالسادہ کے دروازے پر حاضر ہوتے ہیں اور میدان جلوخانہ میں گھوڑے دوڑاتے ہیں، نیزہ بازی کرتے ہیں، نوجوان مکہ گدھوں کو کرائے پر لے کر دوڑاتے ہیں۔شریف خود باہر نکلتا ہے اور گھوڑا دوڑاتا ہے''۔(۳۱)

محمد حفیظ اللہ نے بھی سفرنامہ عرب میں ۱۳۰۸ھ کے مکہ میں عید کی دعوتوں کی تفصیلات لکھی ہیں۔ان کے مطابق سلطان کی طرف سے عید کے دن دعوت عام ہوتی ہے۔اس کے علاوہ اسی روز شہر کے علما کی باہم دعوتیں ہوتی ہیں، دوسرے روز مشائخ کی دعوتیں ہوتی ہیں، تیسرے روز مقربان سلطانی کی دعوتیں اور چوتھے روز لشکر کی دعوت سلطان کی طرف سے ہوتی ہے۔(۳۲)

راحیل شیروانیہ نے ۱۹۲۳ء کے زمانے کے مکے کی عید کے حالات میں لکھا ہے کہ یہاں تین روز تک دکانیں بند رہتی ہیں اور گھروں پر رونق ہوتی ہے۔مہینے بھر عید کی تقریبات کا اہتمام ہوتا ہے۔لوگ پورے ایک مہینے تک ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے رہتے ہیں۔(۳۳)

مذکورہ حج ناموں کے علاوہ خطیب قادر بادشاہ کے ''سفر حجاز (مطبوعہ ۱۹۰۷ء) سے بھی مکہ کی عید کی رونق، مسجد الحرام میں نماز عید کی ادائیگی کی شان وشوکت، عید سے قبل دس روز تک رات بھر بازار کے کھلے رہنے، وہاں کی رونق اور عید کی خوشی میں تین روز تک توپیں سر ہونے کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔(۳۴)

**مجلس مولود:** ترکی عہد کے حجاز میں مجلس مولود میں ذکر ولادتؐ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ایصال ثواب کے موقع پر منعقد کی جانے والی ان مجلسوں میں حاضرین قیام بھی کیا کرتے تھے۔شیخ فضل الرب نے ''زاد الدارین'' میں مکہ میں ایصال ثواب کے موقع پر مجلس مولود کے انعقاد کا ذکر کیا ہے(۳۵) اور محمد زردار خان کے ''سفر نامہ حرمین (۱۸۷۳ء) سے مسجد نبوی میں مجلس مولود کے کثرت سے انعقاد کا علم ہوتا ہے۔لکھتے ہیں:

> ''یہاں پر مولود شریف کا بہت کچھ دستور ہے۔ ہر وقت ذکر ولادت کے،کل عرب واسطے تعظیم کے کھڑے ہوتے ہیں اور صلوٰۃ اور درود پڑھتے ہیں اور جو کہ شیرینی اور خوشبو عود،عطر وغیرہ کی تیاری بہت کچھ ہوتی ہے،فاتحہ کی شیرینی حاضرین محفل کو تقسیم ہو جاتی ہے۔مسجد نبوی میں بہت کچھ کثرت سے مولود ہوتی ہے''۔(۳۶)

اردو اور بعض مترجم سفر ناموں سے حجاز کے قریب ایک،دوصدی قبل کے سماجی،تہذیبی اور ثقافتی زندگی کے نقوش سے ان سفر ناموں کی قیمت اور بڑھ گئی ہے۔ان سے حجاز کی زندگی کے بہت سے پہلو سامنے آتے ہیں اور اہل حجاز کی لطیف ونفیس طبیعت،ان کی شخصیت،مزاج،رجحانات اور ان کی دلچسپیاں نمایاں ہوتی ہیں،البتہ یہ پہلو قاری کے لیے کچھ مثبت کچھ منفی ہو سکتے ہیں،یہ بھی تو ہے کہ حج ناموں کے اس وسیع ذخیرے کی یہ تفصیلات بہت اہم ہیں اور یہ گویا ماضی کے حجاز کی سماجی،تہذیبی اور ثقافتی زندگی کی تاریخ کا ایک حقیقی مصدر و ماخذ ہیں۔جب بھی ان زاویوں سے اس دور کو دیکھنے کی کوشش ہوگی تو دیگر حوالوں کے ساتھ ان حج ناموں کی حیثیت واہمیت بھی پیش نظر ہوگی۔

---

## حواشی

(۱) مرزا عرفان علی بیگ،سفر نامہ حجاز،لکھنؤ،مطبع منشی نول کشور،۱۸۹۵ء،ص ۲۰۲۔(۲) سید دلاور علی،سیاحت الحرمین بہ زیارت الثقلین،حیدرآباد،مطبع عزیز،ت۔ن،ص ۲۰۶ تا ۲۱۲۔(۳) عبدالسلام الدرعی/ضیاء عبداللہ ندوی (مترجم)،سفر نامہ حج،نئی دہلی،مجلس علمی،۱۹۹۱ء،ص ۵۰۔(۴) ملاحظہ کریں،ماہر القادری،کاروان حجاز،نئی

دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۲۰، ۱۰۶، ۱۰۷۔ (۵) خدادادخان، حج خداداد، مرادآباد، مصنف، ت۔ن، ص ۳۱، ۳۲۔ (۶) مرزاعرفان علی بیگ، سفرنامہ حجاز، ص ۱۳۲۔ (۷) منصب علی خان، ماہ مغرب، میرٹھ، مطبع محب کشورہند، ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء، ص ۸۷۔ (۸) محمد زردار خان، سفرنامہ حرمین، لکھنؤ، مطبع نامی منشی نول کشور، ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء، ص ۶۰، ۶۱۔ (۹) محمد حفیظ اللہ، سفرنامہ عرب، پٹنہ، مطبع احمدی، ۱۳۱۲ھ/ ۹۵۔۱۸۹۴ء، ص ۱۱۔ (۱۰) نواب محمد عمر علی خان، زادغریب، میرٹھ، مطبع گلزار محمدی، ۱۳۱۳ھ/ ۹۶۔۱۸۹۵ء، ۱۴۔ (۱۱) منصب علی خان، ماہ مغرب، ص ۷۵، ۷۶۔ (۱۲) ڈاکٹر نور حسین صابر، رفیق الحجاج، لاہور، خادم التعلیم اسٹیم پریس، ۱۹۰۷ء، ص ۱۱۸۔ (۱۳) منصب علی خان، ماہ مغرب، ص ۷۶۔ (۱۴) نور حسین صابر، رفیق الحجاج، ص ۱۱۸۔ (۱۵) نواب سکندر بیگم، یادداشت، تاریخ وقائع حج (قلمی)، مخزونہ: رام پور رضا لائبریری، رام پور، ص ۳۹۔ (۱۶) محمد عمر علی خان، زادغریب، ص ۳۵۔ (۱۷) نور حسین صابر، رفیق الحجاج، ص ۱۹۳۔ (۱۸) امۃ الغنی نور النساء، سفرنامہ حجاز، شام ومصر، حیدرآباد، ورڈ ماسٹر کمپیوٹر پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۴۱۔ (۱۹) نور حسین صابر، رفیق الحجاج، ص ۱۱۸۔ (۲۰) حاجی علیم الدین، رسالہ حج، لکھنؤ، نامی پریس، ۱۸۹۲ء، ص ۸۶۔ (۲۱) مولانا ابوالقاسم، سفر بیت اللہ، بنارس، مطبع سعید المطابع، ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء، ص ۳۳۔ (۲۲) عبدالرحیم نقش بندی، سفرحرمین الشریفین وذکر مدینہ منورہ، بنگلور، مطبع شوکت الاسلام، ۱۹۱۲ء، ص ۲۳۶۔ (۲۳) شیخ فضل الرب، زادالدارین، معروف بہ قبلہ نما، پٹنہ، صادق پور پریس، ۱۸۹۶ء، ص ۲۵۰۔ (۲۴) ایضاً، ص ۲۵۱۔ (۲۵) نواب سکندر بیگم، یادداشت، تاریخ وقائع حج (قلمی)، ص ۴۱۔ (۲۶) شیخ فضل الرب، زادالدارین، ص ۱۷۷۔ (۲۷) ایضاً، ص ۲۴۵، ۲۴۶۔ (۲۸) ایضاً، ص ۲۴۶۔ (۲۹) مولانا ابوالقاسم، سفر بیت اللہ، ص ۳۲۔ (۳۰) راحیل شیروانیہ، زادالسبیل، م۔ن، م۔ن، ت۔ن، ص ۸۴۔ (۳۱) رفیع الدین فاروقی مرادآبادی، سفرنامہ حجاز (ترجمہ) لکھنؤ، کتب خانہ الفرقان، ۱۹۶۱ء، ص ۸۱، ۸۲۔ (۳۲) محمد حفیظ اللہ، سفرنامہ عرب، ص ۹۳، ۹۴۔ (۳۳) راحیل شیروانیہ، زادالسبیل، ص ۱۱۳۔ (۳۴) خطیب قادر بادشاہ، سفرحجاز، مدراس، مطبع نامی، ۱۳۴۵ھ، ص ۴۲۔ (۳۵) شیخ فضل الرب، زادالدارین معروف بہ قبلہ نما، ص ۷۷۔ (۳۶) محمد زردار خان، سفرنامہ حرمین، ص ۸۹۔

# اخبار علمیہ

## ''اپنی مرضی کا قرآن''

قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔اس کے نزول پر تقریباً ساڑھے چودہ سو برس کا عرصہ گذر چکا ہے۔اس طویل عرصہ میں اس کے خلاف نہ جانے کتنی سازشیں کی گئیں۔جن میں کئی بار کوشش کی گئی کہ جہاد سے متعلق جو آیات قرآن میں ہیں انہیں متن سے نکال دیا جائے لیکن اب تک تحریف و ترمیم کر کے کسی نے محرف ''قرآنی نسخہ'' کی اشاعت کی جسارت نہیں کی تھی۔ خبر ہے کہ شام کے صدر نے کلام اللہ میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف و ترمیم کر کے نئے نسخے طبع کرانے کے احکام جاری کیے ہیں،جس کے اجرا کی ایک تصویر انٹرنیٹ پر بھی جاری کی گئی ہے۔اتنا ہی نہیں ان نسخوں کو تعلیمی و انتظامی اداروں میں رکھوانے کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔دعویٰ کیا گیا ہے کہ نیا ''قرآنی نسخہ'' چند منتخب علما نے پانچ برس کی محنت کے بعد تیار کیا ہے اور (معاذ اللہ) اس کی ۷ ۲ بار تدوین و تصحیح کی گئی ہے۔اس کے مطابق اس جدید نسخے سے بنیاد پرستی کے استیصال و خاتمہ میں مدد ملے گی۔امریکی جریدے نیوز ویک کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ صدر کے نامزد کردہ اسکالروں نے اس پر برسوں محنت کر کے آیات کو ''آسان'' بنایا ہے اور شامی صدر کی خواہش کے مطابق آیات کے مفاہیم و معانی نئے سرے سے درست کیے ہیں۔لیکن اطمینان بخش خبر یہ بھی ہے کہ سنی اور شیعہ دونوں مکتب فکر کے علما نے اس کی بھرپور مزاحمت کی ہے۔ان کے شدید ردعمل کے بعد شامی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ ''نیا قرآنی ورژن'' جلد ہی مصر کی جامعہ ازہر اس مقصد سے بھیجا جائے گا تا کہ اسے عام طور پر رائج کرنے کی منظور حاصل کی جائے۔

(تفصیلی رپورٹ روزنامہ امت کراچی، ۱۸ جولائی ۲۰۱۵ء کی اشاعت میں موجود ہے)

---

## ''تلنگانہ حکومت کا قابل ستائش اقدام''

دائرۃ المعارف حیدرآباد بین الاقوامی شہرت کا حامل ادارہ ہے۔اس کے وجود پر ایک صدی سے زائد کا عرصہ گذر چکا ہے۔اس نے ماضی میں علوم وفنون بالخصوص علوم اسلامیہ کے فروغ و اشاعت میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہے۔ایک زمانہ میں اسلامی مصادر کتب کی طبع و اشاعت کے سب سے بڑے مرکز کی حیثیت اس کو حاصل تھی لیکن ادھر کچھ سالوں سے اس کی علمی سرگرمیاں ٹھپ پڑ گئی تھیں اور زبان حال سے اپنی کسمپرسی کا پیغام سنا رہی تھیں۔لیکن خبر ہے کہ موجودہ تلنگانہ حکومت نے اس کی عظمت رفتہ

کی بازیافت کے لیے مرکز سے ۸ ۳/ کرور روپے کی گرانٹ حاصل کرنے کی تیاری مکمل کرلی ہے۔اس پروجیکٹ کے تحت تمام نادر مخطوطات اور کتابوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جائے گا۔مخطوطات ڈیجیٹلائزڈ اور نادر اور قدیم کتابوں کو آفسیٹ مشین پر دوبارہ پرنٹ کیا جائے گا۔ریاست کی تقسیم کے باوجود دائرۃ المعارف حیدرآباد اور تلنگانہ ریاستوں کے مشترکہ اثاثہ کی حیثیت سے برقرار رہے گا۔ (افکار ملی، اگست ۲۰۱۵ء)

---

## ''مصنوعی سیارہ کی شروعات''

۱۹۸۹ء میں نورالاسلام نام سے ٹمل ناڈو میں ایک یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تھا۔شروع کے ایام میں اس میں صرف ۴۰ طلبہ زیر تعلیم تھے مگر اپنی شاندار کارکردگی کے مظاہرے کے سبب آج اس یونیورسٹی میں ۵۰۰ ۳ طلبہ تعلیم حاصل کررہے ہیں۔اسی سے وابستہ ایک عہدے دار نے بتایا کہ نورالاسلام یونیورسٹی جلد ہی اپنا مصنوعی سیارہ حکومت کی مدد سے شروع کرنے جارہی ہے۔ ۱۰۰ کرور کے خرچ سے بنائے جانے والے اس سیارچہ کا استعمال اعلیٰ تعلیم اور زراعتی پروگراموں کے لیے کیا جائے گا۔اس کی تعمیر اسرو ISRO کے ۱۸ سابق وابستگان کے زیر نگرانی ہوگی جو اس وقت نورالاسلام کالج آف انجینئرنگ میں کام کررہے ہیں۔(تعمیر فکر، مئی۔جون ۲۰۱۵ء)

---

## ''شمسی توانائی سے چلنے والا پہلا ایر پورٹ''

کیرالا کے مقام کوچی (کوچین) میں شمسی توانائی سے چلنے والا پہلا ایر پورٹ تیار کرکے ہندوستان نے سائنسی ترقیات کی حصولیابی میں اہم پیش رفت کی ہے اوراس طرح ہندوستان نے شمسی توانائی سے چلنے والا دنیا کا سب سے پہلا ایر پورٹ سی آئی اے ایل (کوچی انٹرنیشنل ایر پورٹ لمیٹڈ) بنانے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔اطلاعات کے مطابق اس منصوبے کے لیے کارگو کمپلکس کے پاس ۱۴۵ ایکڑ کے رقبے پر ۲۱۴۰۴ سولر پینلز نصب کیے گئے ہیں جس سے ۵۰ سے ۶۰ ہزار یونٹ بجلی پیدا ہوگی۔ایر پورٹ کے ڈائریکٹر کا بیان ہے کہ ہوائی اڈے کو ۵۰ ہزار یونٹ کی روزانہ ضرورت ہے اوراس پروجیکٹ کا استعمال کرکے ضرورت کے مطابق بجلی حاصل کی جاسکتی ہے۔ریاست کے وزیر اعلانے اس کا افتتاح کرتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا کہ ''ہوائی اڈے میں سولر پاور پروجیکٹ سے آیندہ ۲۵ سالوں میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج میں تین لاکھ میٹرک ٹن کی کمی آئے گی جو تقریباً ۳ لاکھ درخت لگانے کے برابر

ہے''۔سی آئی اے ایل نے شمسی توانائی کے استعمال کا آغاز ۲۰۱۳ء میں کیا تھا اور سب سے پہلے سو کلوواٹ کی صلاحیت والا سولر پاور پلانٹ لگایا تھا۔ (دیکھیے بی بی سی اردو ای پیپر، ۱۹/ اگست ۲۰۱۵ء)

''ایک قابل ذکر مہم''

امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا میں آباد مسلمانوں کی ایک تنظیم آئی سی این اے (اسلام سرکل آف نارتھ امریکا) نے ان دنوں بڑے بڑے اشتہارات آویزاں کیے ہیں جن میں یہ پیغام درج ہے ''کیا آپ جوابات کی تلاش میں ہیں؟ اسلام سے رجوع کیجیے، مسلمانوں نے اس مہم کا آغاز اسلام کا صحیح رخ پیش کرنے کے مقصد سے کیا ہے۔ اس کے تحت وہ غیر مسلموں کو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات کی دعوت دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اسلام امن اور محبت کا مذہب ہے اور یہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے ہے۔ یہ تنظیم بڑے بڑے بل بورڈ کے ذریعہ آنحضورؐ کے پیغامات پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ نام نہاد شدت پسند تنظیمیں جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے طرز فکر و عمل سے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کر رہی ہیں ان کی حقیقت سامنے آجائے اور مخالفین اسلام کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پہنچے۔ (افکار ملی، اگست ۲۰۱۵ء)

''وائرس سے محفوظ کمپیوٹر''

گوہاٹی کے لٹل فلاور اسکول کے دسویں جماعت کے ایک طالب علم فرید اسلام نے ایک ایسا نیا کمپیوٹر تیار کیا ہے جو وائرس سے محفوظ اور مائکرو چپ سسٹم سے چلایا جاتا ہے۔ اس طالب علم کا کہنا ہے کہ بیشتر کمپیوٹر ہارڈ ڈسک ڈرائیوز اور الکٹرانک ڈسک کے ذریعہ آپریٹنگ سسٹم لوڈ کرتے ہیں لیکن یہ کمپیوٹر مائکرو چپ پر مبنی ہے جو میکانیکل اور الکٹرانک ہارڈ ڈسک کا نعم البدل ہے۔ مائیکرو چپ کے استعمال سے کمپیوٹر کی رفتار میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔ (احمد ٹائمز، ماہنامہ، جولائی ۲۰۱۵ء)

''تین کلوگرام وزنی واک کار''

ایک جاپانی انجینئر کونیکو سیتو نے ایک ایسی واک کار چہل قدمی کے لیے تیار کی ہے جس کا وزن صرف تین کلوگرام ہے، جس کو بہ آسانی دستی بیگ میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس میں پٹرول کا خرچ بھی نہیں ہے۔ یہ کار آیندہ سال ۸۰۰ امریکی ڈالر میں فروخت ہوگی۔ (اخبار مشرق، کلکتہ، ۱۷/ اگست ۲۰۱۵ء)

ک، ص اصلاحی

## معارف کی ڈاک

# قدیم ترین نسخۂ قرآن مجید

علی گڑھ
۳/ذوقعدہ ۱۴۳۶ھ

گرامی قدر مدیران معارف اعظم گڑھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ہی معارف کا اگست ۲۰۱۵ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ آپ سب کی ایک ماہ کی محنت کو ایک دن میں ٹھکانے لگا دیا۔ شذراتِ ظلی اور اخبار علمیہ اصلاحی پڑھ کر چند معروضات پیش کرنے کا بے اختیار جی چاہا۔ لہٰذا وہ اہل علم کے ملاحظہ کے لیے حاضر ہیں: اول قدیم ترین نسخہ قرآن مجید کے چند اوراق کی کتابت کی تاریخوں یا دورانیہ کی تخمین اور اس کی صحت کے پیمانہ صدفی صد کے بارے میں ہے۔

۱۔ شذرات میں "تخمینی زمانہ ۵۶۸ اور ۶۴۵ سن عیسوی کے درمیان" بتایا گیا ہے۔

۲۔ اخبار علمیہ میں ہے کہ "کم از کم ۱۳۷۰ھ یعنی ۵۵۸ سے ۶۵۴ء کے درمیان اس کی کتابت ہوئی ہے"۔

ان دو اہل علم نے خود ہی "ریڈیو کاربن ڈیٹنگ" کے "ایک اسٹینڈرڈ سائنٹفک طریقہ" کی معتبریت پر سوال اٹھا دیے۔ ہم ناواقفانِ اسرارِ طریقت ان میں سے کس دورانیے کو صحیح سمجھیں؟

اس تخمینہ میں اول الذکر تاریخیں خواہ ۵۶۸ء مانی جائیں خواہ ۵۵۸ء دونوں ہی سن عیسوی کے مطابق ولادت نبوی سے قبل کی ہیں۔ ہم طالب علموں نے اب تک یہی پڑھا ہے کہ رسول اللہؐ پر چالیس برس کی عمر شریف میں یعنی ۶۱۰ء میں رمضان میں قرآن مجید کا نزول ہوا۔ اولین تنزیل اور بعد کی تنزیلات میں قریب قریب ۲۳ برسوں کا زمانہ ہے۔ اوراق مصحف کی آیات کریمہ نہ جانے کس سورہ کی ہیں؟ لہٰذا اسٹینڈرڈ سائنٹفک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ تخمینی زمانے کا آغاز ۶۱۰ء کے برس سے کیا جاتا۔ دونوں صاحبان علم نے اس استشراقی طریقہ کار کی خامی پر نقد نہیں کیا۔

سائنٹفک طریقہ کی ایک بوالعجبی یہ ہے کہ وہ یہ پتہ نہیں لگا سکا کہ کھال بکری کی ہے کہ بھیڑ

کی۔اس سے زیادہ دلچسپ شذرات کے اواخر کا یہ تجزیہ ہے کہ ’’کھال تو اتنی ہی قدیم ہو لیکن اس پر لکھی جانے والی تحریر اتنی قدیم نہ ہو‘‘۔ یہ بھی بہت دلچسپ بات ہے کہ قدیم ترین کھال متاخر تحریر و کتابت کے لیے محفوظ رکھی گئی۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ ’’یہ قرآنی آیات.....حجازی رسم الخط میں لکھی گئی ہیں جو ابتدائے اسلام میں رائج تھا۔تحریر صاف، واضح اور خوبصورت ہے اور آسانی سے پڑھی جاسکتی ہے‘‘۔اب تک جتنے مخطوطات مصاحف ملے ہیں وہ صاف واضح اور خوبصورت تو ہیں لیکن آسانی سے نہیں پڑھے جاسکتے۔حجازی رسم الخط کا معاملہ بھی خاصا پریشان کن ہے۔

اس سے زیادہ میری طالب علمانہ پریشانی اور حیرانی کا باعث ابتدائے اسلام کا فقرہ یا تعبیر ہے۔مستشرقین اور جدید اہل علم اور سیرت نگاروں نے بالعموم پیغمبر اسلام، بانی اسلام اور آغاز اسلام جیسے فقرے اور تعبیرات استعمال کیں۔حضرت محمدؐ بلا شبہ پیغمبر اسلام ہیں لیکن پیغمبران اسلام کے خاتم ہیں۔ابتدائے اسلام سے گمراہ کن غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔مرتب اخبار علمیہ نے اسے ’’اسلام کے چند سال بعد کا‘‘ اور اس کے کاتب کو’’پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں باحیات ہونے‘‘ کا فقرہ و جملہ استعمال کیا ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا اسلام حضرت محمدؐ کے ساتھ آیا؟ معاندین اسلام کے فتنہ طاغوتی میں ہم بھی مبتلا ہوجاتے ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ خاکسار کے ان معروضات کی بنا پر اس کا شمار معاندین میں ہوگا یا علمی حلقوں میں سے کس سے وابستہ کیا جائے گا۔علمی حلقوں کے ردعمل کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں البتہ اتنا ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مغربی محققین واہل علم اور ان کے پرداختہ جدید صاحبان تحقیق اسی قسم کے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں کہ مسلم علماء واہل علم لاطائل مباحث میں الجھے رہیں۔قرآن مجید، اسلام اور پیغمبر آخرالزماں اور خاتم النبیینؐ کو ان شہادات فرنگ اور تائیدات افرنگ کی ضرورت نہیں کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے جس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں اور نہ فرق ہے اور صاحب قرآن عظیمؐ اور آپؐ کا لایا ہوا دین متین ہے اور تمام پیغمبران اسلام کا تکملہ وخاتم۔کاش مسلم امت منکرین اور سازشیوں کی فتنہ انگیز تائیدات وتحقیقات سے خوش ہونا چھوڑ دے اور صرف اپنے ایمان وقرآن پر فخر کرے۔

برسبیل تذکرہ جون ۲۰۱۵ء کے شمارہ معارف میں ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر کے مقالے ’’حنفی

منہج اجتہاد‘‘ (اپریل ۲۰۱۵ء) پر نقد و استدراک پر اسی طرح جوش کھا کر ایک عریضہ لکھا تھا مگر اس خوف سے نہیں بھیجا کہ خاکسار کے تعاقب میں پھر ائمہ مجتہدین کے احادیث و آثار کے ترک پر طعنہ زنی ہوگی۔ اب جی چاہتا ہے کہ صرف دو چار باتیں اس باب میں بھی لکھ ہی دوں کہ میدان نقد میں کود پڑا ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور دوسرے فقہاء و مجتہدین پر ترک حدیث کا الزام لگتا ہی چلا آرہا ہے۔ جدید اہل علم بھی اس کے خوگر ہیں۔

ایک عرض خاکسارانہ صرف یہ ہے کہ اماماں فقہ و حدیث، حدیث ترک نہیں کرتے، مختلف / متنوع احادیث میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے قول، رائے اور افتاء کی تائید میں کوئی نہ کوئی حدیث ضرور ہوتی ہے یا عمل و تعامل صحابہ، جیسے غلہ اور پھل پر زکوٰۃ کا نصاب موطا و بخاری وغیرہ سے پانچ وسق بتایا گیا ہے۔ حدیث بخاری: ۱۴۸۳؛ کتاب الزکوٰۃ باب العشر الخ میں زمین کی تمام پیداوار پر زکوٰۃ عائد کرتی ہے، خواہ مقدار کچھ بھی ہو۔ حافظ ابن حجر کی بحث و تشریح میں (۳/ ۴۴۰) امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تحسین و تعریف محدثین کے علاوہ حدیث سے تمسک اور فقہ حدیث کی واقعیت بھی اجاگر کی گئی ہے۔ وہ حنفی قیاس نہیں ہے۔ حدیث مخالف حنفی فتاویٰ و آراء کے جوابات ورد کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

ترجیح و انتخاب حدیث تو محدثین و اہل حدیث بھی کرتے تھے۔ بخاری و مسلم نے صحیح احادیث کے اپنے انتخاب میں دیگر صحیح احادیث ’’ترک‘‘ کر دی ہیں۔

اہل رائے حدیث سے نابلد ہوتے تھے! کم از کم ائمہ مجتہدین اور اماماں فقہ ہم سے زیادہ حدیث جانتے تھے اور ان پر آراء نہیں کرتے تھے۔

اس کے باوجود اگر کسی کو ان کے ترک حدیث پر اصرار ہی ہے تو ان کے اعلان کردہ قول کے مطابق ان کے اقوال کو دیوار پر ماردیں اور صحیح احادیث پر عمل کریں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم سب اپنے علم ناقص کی بنیاد پر اماماں فقہ و حدیث پر طعن و نقد کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ ان سب کے اجتہادات و اقوال و فتاویٰ کے پیچھے بقول شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایک مضبوط بنیاد و اصل ہے: ’’لکل اصل اصیل‘‘۔

مقالہ نگار ڈاکٹر محمد عمار خاں ناصر سے بعض آرا و امور پر خاکسار کو بھی اختلاف ہے لیکن ان سے اختلاف کا اظہار اماما ن فقہ و حدیث پر طعن و نقد کا جواز نہیں فراہم کرتا۔

استدراک و نقد کے ماہرین کاملین سے بصد ادب التماس ہے کہ ماہرین فن اور متبحرین علوم کے رہنما عطایا کی قدر کریں اور لعن طعن کرنا ہی ہے تو ہم جیسے خاکساران علم و ادب تختۂ مشق ستم بننے کے لیے حاضر ہیں۔

خادم علم و علما

(پروفیسر) محمد یٰسین مظہر صدیقی

# مقالات معارف

ماڈرن کنسلٹنٹ،
وڈّا مارکیٹ، جہلم
۲۰۱۵/۵/۸ء

محترم و مکرم جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

امید واثق ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، ماہنامہ ''معارف'' کا میں دائمی ممبر ہوں اور ایک مدت دراز سے اس سے تعلق ہے۔ یہ واحد ماہنامہ ہے جو عرصہ دراز سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اس کے تحقیقی مقالات اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ اس کا ایک عرصہ تک اپنے مقام و مرتبہ پر قائم رہنا اس کے کارکنوں کا اخلاص ہے۔ خدائے عظیم اپنے عظیم تر فضل و احسانات کے ساتھ ''معارف'' کے مقام و مرتبہ کو مزید بلند فرمائے۔ آمین! ثم آمین۔

میری یہ دلی تمنا ہے کہ معارف میں علوم جدید و قدیم کی روشنی میں دو طرح کے مضامین باقاعدگی سے شائع ہوں، ایک تفسیر قرآن کریم اور دوسرا طب نبویؐ/طب اسلامی کے موضوع پر معارف کے صفحات پر تسلسل کے ساتھ مضامین شائع ہوں تاکہ اہل علم و دانش اس سے استفادہ کریں۔

ایک صاحب علم و حاذق طبیب اپنے تجربات و مشاہدات قدیم و جدید طب کی روشنی میں بیان کرے اور موجودہ دور کی بیماریوں اور ان کی وجوہات اور پھر علاج طبی نقطۂ نگاہ سے امہات کتب اور جدید مطالعہ کی روشنی میں بیان کرے تو یہ کتنے کام کی چیز ہوگی یعنی ایک بہت بڑی نعمت جو قاری کو گھر بیٹھے حاصل ہوگی۔

دوسرا موضوع تفسیر قرآن کریم ہے جسے جدید تقاضوں کے مطابق بیان کرنا علما کی ذمہ داری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس میں بڑی وسعت ہے۔

عرصہ ہوا میں نے مولانا تقی امینی کی تفسیر ''سورہ عصر'' کا مطالعہ کیا تھا تو مجھے اندازہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جس انسان پر کرم ہو جائے اس کا سینہ قرآن کریم کے لیے کھول دیتا ہے۔

ضرورت ہے کہ قرآن کی تعلیمات کو جدید علوم کی روشنی میں آج کے انسان کے سامنے پیش کیا جائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(جناب) **گلزار احمد مالک**

# مولانا شاہ شبیر عطا ندوی مرحوم

۷/۸/۲۰۱۵ء

بھیونڈی

مدیر معارف السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جولائی ۲۰۱۵ء کے ''معارف'' میں وفیات کے کالم کے تحت مولانا شاہ شبیر عطا ندوی مرحوم کا تعارف شائع ہوا ہے۔ ناچیز کو الٰہ آباد میں مرحوم سے مصاحبت اور بے تکلفی کا شرف حاصل ہے اس لیے وہ ان کی زندگی کے بعض ان گوشوں پر روشنی ڈال رہا ہے جن سے آپ نے تعرض نہیں کیا ہے۔

شاہ حلیم عطا مرحوم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شیخ الحدیث تھے۔ بڑے بھائی ہونے کی وجہ سے خانقاہ کریمیہ چشتیہ سلون کی سجادگی ان کا حق تھا لیکن ندوہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اس مسند پر ان کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ نعیم عطا مرحوم کا تصرف تھا۔

آپ نے دارالمصنّفین میں شبیر صاحب کی رفاقت کا ذکر فرمایا ہے۔ غالباً اس کے بعد ہی وہ کچھ عرصہ کے لیے پاکستان چلے گئے تھے۔ شاہ شبیر عطا مرحوم زبردست صاحب علم تھے۔ پاکستان میں ان کے مضامین و مقالات ہفت روزہ ''الاعتصام'' (لاہور) اور علمی و تحقیقی جریدہ ''رحیق'' (لاہور) میں شائع ہوتے تھے۔ ''الاعتصام'' کے مدیر اس وقت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تھے اور ماہنامہ ''رحیق'' شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ پاکستان میں شبیر صاحب کی رفاقت ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ایک ممتاز رکن مفسر قرآن اور امام راغب کی ''مفردات القرآن'' کے مترجم مولانا

محمد حنیف ندوی کے ساتھ بھی رہا کرتی تھی۔ان کے یہ تمام علمی رفقاء مسلکاً اہل حدیث تھے۔وہاں سے واپس ہونے کے بعد قانونی مرافعے کے ذریعہ خانقاہ کریمیہ کی سجادگی کے مرحلے پیش آئے۔اس کے بعد ان کی زندگی کی شاہراہ بدل گئی۔ناچیز کی ایک بار ممبئی کی حمیدیہ مسجد پائدھونی میں ان سے ملاقات ہوگئی تھی۔مرحوم اس وقت اپنے مریدین کے جلو میں تھے لیکن انہوں نے مجھ کو پہچان لیا۔

شیخ الحدیث شاہ حلیم عطا مرحوم کی ایک دختر طفیل مدنی مرحوم کے برادر بزرگ سید ذکی احمد مدنی مرحوم سے منسوب تھیں جس کی وجہ سے اس خاندان کا الہ آباد سے مسلسل ربط تھا۔شاہ حلیم عطا مرحوم کی چار اولاد نرینہ تھی۔شبیر عطا صاحب کی انگریزی میں لیاقت کا خاکسار کو کوئی علم نہیں ہے لیکن شاہ ہادی عطا اور شاہ حسن عطا انتہائی ذہین وفطین اور عربی، فارسی، انگریزی اور اردو کے زبردست مقرر تھے۔شاہ ہادی عطا نے بی۔اے میں مسلم یونیورسٹی میں top کیا تھا لیکن بدقسمتی سے نتیجہ شائع ہونے سے ایک دن پہلے ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ان کے سوگ میں مسلم یونیورسٹی ایک دن کے لیے بند ہوگئی تھی۔شاہ حسن عطا جو بعد میں سفارت خانہ ایران میں سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے صدر تھے۔اسی زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی تشریف لائے تھے۔انہوں نے مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کی پاکستان نوازی پر سخت انداز میں تہدید وتنبیہ کی تھی جس کے جواب میں شاہ حسن عطا نے مولانا آزاد کی نہ صرف تقریر بلکہ ان کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' پر زبردست اعتراضات کیے تھے۔شاہ حسن عطا نے جب وہ ایک بار الہ آباد تشریف لائے تھے۔یہ بات مجھے خود بتائی تھی۔یہ بات پاکستان کے اخباروں یا رسالوں میں بھی نقل ہوئی تھی اور ناچیز نے بھی اپنے کسی ایک مضمون میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔مشہور صحافی ندیم صدیقی (اردو ٹائمز) کے پاس ایک کتاب ہے جس میں یہ واقعہ من وعن موجود ہے۔

شاہ شبیر عطا کے چھوٹے بھائی شاہ شبر عطا کی تو تعلیم ہی الہ آباد میں ہوئی ہے۔وہ ناچیز کے استاذ جناب عبداللطیف الہندی کے زیر تربیت تھے۔چونکہ شاہ حسن عطا، شاہ شبیر عطا اور شاہ شبر عطا سے ناچیز کی اچھی ملاقات اور واقفیت تھی اس لیے مناسب سمجھا کہ یہ معلومات قارئین ''معارف'' کی نذر کردی جائیں۔

ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

## آثار علمیہ وتاریخیہ

# سرسید کی ایک نادر تحریر
# ریویو
# رسالہ مضمون مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم

اشتیاق احمد ظلی

علی گڑھ کے دوران قیام علامہ شبلی کی پہلی علمی اور تحقیقی کاوش ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' تھی۔ یہ مضمون ایجوکیشنل کانگریس کے دوسرے اجلاس میں ۲۷ر دسمبر ۱۸۸۷ء کو پیش کیا گیا جو شاہی بارہ دری لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں یہ مضمون کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس سے علامہ شبلی کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی۔ اس مضمون کی اہمیت اور افادیت پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے(۱)۔ گذشتہ دنوں شبلی صدی سمینار میں پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی نے اس کا ایک بہت اچھا تعارف پیش کیا تھا (۲)۔ تفصیلات کے طالب اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

سرسید نے مختلف مواقع پر اس مضمون کے لیے نہایت تعریفی کلمات استعمال کیے ہیں (۳)۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے اس پر ایک مفصل ریویو بھی لکھا تھا جو مصنف کے لیے بڑی سے بڑی سند کا درجہ رکھتا ہے جو انھیں اس سلسلہ میں مل سکتی تھی۔ عام طور پر اس کا علم نہیں ہے۔ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی نے اپنے مذکورہ بالا مقالہ میں اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اس کے متعدد اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔ اس کی غیر معمولی قدر و قیمت اور اہمیت کی وجہ سے افادہ عام کے لیے اسے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ یہ ریویو ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء کے گزٹ میں شائع ہوا تھا۔

اس سے پہلے ۷ر جولائی ۱۸۸۸ء کے گزٹ میں سرسید کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا جس میں اس رسالہ کی اشاعت کی خبر دی گئی تھی۔ اس اشتہار میں وہ لکھتے ہیں ''یہ وہ عمدہ اور بے نظیر مضمون ہے

جو مولوی شبلی صاحب نے ایجوکیشنل کانگریس کے اجلاس میں دسمبر ۱۸۸۷ء کو بہ مقام لکھنؤ پیش کیا۔ ممبران ایجوکیشنل کانگریس کو بلا قیمت پیش ہوگا۔ علاوہ ان کے دیگر خریداروں کو مندرجہ ذیل قیمت پر ملتا ہے''۔ یہ اشتہار سرسید نے ایجوکیشنل کانگریس کے سکریٹری کی حیثیت سے شائع کیا تھا۔ چند دنوں بعد سرآسمان جاہ کالج کے معاینہ کے لیے تشریف لائے تو کالج کمیٹی کی طرف سے المامون اور یہ رسالہ ان کی خدمت میں نذر کیا گیا۔ (۴) ۳۰/ اکتوبر ۱۸۸۸ کے گزٹ میں لاہور میں ایجوکیشنل کانگریس کے اجلاس کا اعلان ہے۔ اس میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ اس میں مولانا نذیر احمد صاحب تعلیم پر لکچر دیں گے اور شمس العلماء ذکاء اللہ ایک مضمون تعلیم کے موضوع پر پیش کریں گے۔ اس کے بعد یہ عبارت ہے: ''جناب مولانا مولوی نذیر احمد صاحب کے لکچر سے اور جناب شمس العلماء کے رسالہ سے لاہور کانگریس کو لکھنؤ کانگریس کے ہم سر ہونے کا موقع ملے گا جب کہ اس وقت میں لکھنؤ کانگریس مولانا مولوی شبلی نعمانی کے رسالہ کی بدولت انا ولا غیری کا دعویٰ کر رہی ہے''۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مضمون کی سرسید کے دل میں کیا وقعت تھی۔

اس کے چند مہینوں بعد ۲۰/ اپریل ۱۸۸۹ء کے گزٹ میں سرسید کی طرف سے درج ذیل اشتہار نظر آتا ہے۔ ''اشتہار چھاپہ جدید المامون اور رسالہ گذشتہ تعلیم۔ المامون اور مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم یہ دونوں رسالے جو مولوی شبلی صاحب نعمانی، پروفیسر، مدرسۃ العلوم، علی گڑھ کی تصنیف ہیں جس قدر چھپے تھے سب فروخت ہوگئے۔ اب ان کو دوبارہ چھپوانے کی تجویز ہے۔ المامون پر مولوی شبلی صاحب دوبارہ نظر ثانی فرماویں گے اور اس پر مفید اضافے کریں گے۔ اسی طرح ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' میں بھی بعض نئی تحقیقات بڑھائی جائیں گی''۔ اس سے ان دونوں تصنیفات کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس نئے ایڈیشن کا ایک اشتہار ۲۲/ جولائی ۱۸۹۰ء کے گزٹ میں شائع ہوا ہے۔ یہ اشتہار محمد نثار حسین، منیجر قومی پریس و پیام یار، چوک، لکھنؤ کی طرف سے ہے۔ اس سے اس کتاب کے قبول عام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ''مسلمانوں کو اپنا گذشتہ اقبال اور اپنی اگلی لیاقت یاد کرنے کے لیے اگر کوئی کتاب ذریعہ ہوسکتی ہے تو مولوی محمد شبلی نعمانی کی یہ کتاب ہے۔ عربی، انگریزی اور فارسی تاریخوں کے ورق اولٹے گئے ہیں۔ عالمِ خیال میں گھنٹوں اسلام کی قدیم منہدم عمارت کے کھنڈروں میں سیر کی گئی ہے تو ایک کتاب لکھی گئی ہے۔ جس کو ایک پرانی دلچسپ داستان یا شبِ مایوسی میں شبِ اقبال کا تذکرہ کہنا چاہیے۔ جناب مصنف کی نظر ثانی کے بعد پھر چھپی ہے۔ جلد طلب کرنا چاہیے ورنہ شاید بہت جلد نہ رہے''۔

## ریویو

## رسالہ مضمون ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم''

چند ذی علم اور قومی بھلائی میں کوشش کرنے والے بزرگوں سے درخواست کی گئی تھی کہ مسلمانوں کی گذشتہ اور موجودہ اور آیندہ تعلیم کی نسبت مضمون لکھیں اور ایجوکیشنل کانگریس کے اجلاس میں جو دسمبر ۱۸۸۷ء میں بہ مقام لکھنؤ ہونے والا تھا پیش فرمادیں۔ اگرچہ چند صاحبوں نے ارادہ کیا مگر پورا نہ کیا۔ ان میں سے ہمارے مخدوم ومکرم مولوی شبلی صاحب ''والموفون بعهدهم اذا عاهدوا'' (۵) میں داخل ہوئے اور ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' پر ایک مضمون لکھا جو نہایت خوش خط اور عمدہ کاغذ پر چھپا ہے اور ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے۔

گو یہ رسالہ صرف اسی صفحات کا ہے مگر مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم کے حالات کا ایسا جامع ہے کہ بڑی کتابوں میں بھی یکجا اس قدر حالات نہیں مل سکتے۔ مصنف نے خود ایک جگہ لکھا ہے کہ ''اس امر کے لیے جس قسم کے ضروری حالات درکار ہیں یعنی فلسفہ یونانی وغیرہ کے ترجمے، مترجمین اور تصنیفات کے نام، اسلامی دارالعلوم اور مدرسین کی تفصیل، طریق درس، نصاب تعلیم غرض اس قسم کے حالات مجھ کو کسی مستقل تصنیف میں نہیں ملے''۔ اور درحقیقت جہاں تک کہ کتابیں معلوم ہوئیں ان میں اس ترتیب وتفصیل سے حالات نہیں ملتے ہیں۔

مگر ہم مصنف کی کوشش بلیغ اور تفتیش وسیع کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے متفرق اور پریشان مقامات سے چن کر ان حالات کو جمع کیا ہے۔ کبھی خلفائے بنی امیہ وعباسیہ کی تاریخوں کو ڈھونڈنا پڑا، کبھی امراء کے حالات کو ٹٹولنا۔ کبھی علماء کے حالات کے طبقات کی تاریخ پڑھنی پڑی اور کبھی شعراء کی۔ انگریزی مصنفوں کی تصنیفات میں سے جو کچھ ملا اس کو بھی دامن پھیلا کر احسان مندی سے لینا پڑا اور آخر کار اپنے ارادہ پر کامیاب ہوا اور زبان حال سے یہ شعر پڑھا۔

تمتع ز ہر گوشہ یافتم ز ہر خرمنے خوشہ یافتم

مصنف نے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ اسلام نے ابتدا میں کون سے علوم پیدا کیے اور کن کو ترقی دی، وہ کس طرح پھیلے اور کس طرح تعلیم ہوتی رہی۔ پھر بنی امیہ اور بنی عباس نے کیا کیا، کس طرح یونانیوں کے علوم اپنے ہاں لائے اور پھر کس طرح ان کو ترقی دے کر ایسے اعلیٰ درجہ پر پہنچایا کہ اگر یونانی بھی زندہ

ہوتے تو وہ دیکھ کر متعجب ہوجاتے اور دیکھتے کہ یہ وہی علوم ہیں جو ان کے زمانہ میں مثل ایک بیضہ مرغ کے تھے مگر اب اس میں سے کیسے خوبصورت اور خوش رنگ بال و پر کے بچے پیدا ہوئے ہیں۔ ان علوم کا بھی ان میں اشارہ ہے جن کے لیے مسلمان کسی دوسری قوم کے احسان مند نہیں ہیں بلکہ خود ہی ان کے موجد ہیں۔

پھر مصنف نے ایک لمبی فہرست دی ہے اور بتایا ہے کہ کن کن یونانی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، کون لوگ مترجم تھے اور کس کے عہد میں ترجمے ہوئے اور خلفاء نے کس قدر بے دریغ اور بے انتہا روپیہ اور کس فیاضی اور بے تعصبی سے اس میں خرچ کیا۔ اس فہرست کے خاتمہ پر مصنف نے نہایت سچا اور واقعی اعتراض ہماری سینٹیفک سوسائٹی پر کیا ہے جس کو ہم کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''ان واقعات پر (یعنی مسلمانوں میں بذریعہ ترجموں کے علم کی ترقی ہونے پر) خیال کرنے سے بانیان سینٹیفک سوسائٹی، علی گڑھ کو دھوکا ہوا اور وہ سمجھے کہ جس طرح ہمارے مورثوں نے بذریعہ ترجموں کے علوم کو ترقی دی ہے ہم بھی یوروپ کے علوم وفنون کو اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اپنے علوم اور اپنی قوم کو ترقی کے رتبہ پر پہنچائیں گے۔ مگر ان کا یہ قیاس غلط اور قیاس مع الفارق تھا۔ اول تو ترجموں کا اہتمام اور لاکھوں روپیہ کا خرچ جو خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں ہوا اب غیر ممکن ہے۔ دوسرے اس زمانہ میں علوم محدود تھے اور ترقی رک چکی تھی۔ جس قدر کتابیں ترجمہ کر لی گئیں یونانیوں کے علوم پر گویا احاطہ کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں علوم کی ترقی کی نہ انتہا ہے اور نہ ان کتابوں کے شمار کی کوئی حد ہے جن کی تصنیف کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ تیسرے بڑی غلطی اس قیاس میں یہ تھی کہ اس زمانہ میں عربی زبان جس میں ترجمے ہوئے تمام ممالک اسلامی میں حکومت کرنے والی زبان تھی۔ دنیا میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے کہ قوم نے اس زبان میں علوم وفنون کو ترقی دی ہو جو ان پر حکومت کرنے والی زبان نہیں ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اسلامی حکومت میں جو دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں تھی مدرسوں اور یونیورسٹیوں کے قائم ہونے کی تاریخ لکھی ہے اور بتایا ہے کہ سب سے پہلے کہاں مدرسہ قائم ہوا۔ پھر ایک بہت بڑی فہرست ان مدرسوں کی دی ہے جو مملکت اسلامی میں قائم ہوئے اور صرف فہرست ہی نہیں دی ہے بلکہ بتایا ہے کہ کس عہد میں قائم ہوا، کس نے قائم کیا، پرنسپل اور مدرس کون تھے اور کس قدر روپیہ ان کی تنخواہوں اور طالب علموں کی جاگیروں یا اسکالرشپ میں یا وظیفوں میں خرچ ہوتا تھا اور کون کون عالم ان مدرسوں میں سے نکلے، اور کس طرح ان میں تعلیم ہوتی تھی۔ ہم کو امید ہے کہ ہمارے زمانہ کے بزرگوں کو

جو یہ خیال ہے کہ ہم مسلمانوں کے لڑکوں کو دال روٹی کھلا کر اور بان کی کھری چارپائی پر سولا کر اور بورے کے کانٹوں دار فرش پر بٹھا کر تعلیم دے لیں گے اور قوم کے لیے باعث افتخار بنالیں گے وہ خیال ان حالات کے پڑھنے سے دور ہو جائے گا اور یقین کریں گے کہ بغیر روپیہ خرچ کیے تعلیم نہ کبھی پہلے زمانہ میں ہوئی نہ اب ہوسکتی ہے۔ ہاں یہ امر غور طلب ہوگا کہ پہلے کون خرچ کرتا تھا اور اب کس کو خرچ کرنا چاہیے۔

مگر افسوس ہے کہ مصنف کو سوا ایک مدرسہ کے جو نیشاپور میں قائم ہوا تھا کوئی ایسا مدرسہ نہیں ملا جس کو قوم نے قائم کیا ہو اور جو قومی چندہ سے قائم ہوا ہو۔ مگر ہم اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ایک قومی مدرسہ قومی چندہ سے قائم ہوا ہے بشرطیکہ خدا قوم کو ہمت اور توفیق دے کہ اس کو پورا کرے۔

اخیر کو مصنف نے ایک نہایت عمدہ مضمون مسلمانوں کی تعلیم اور اس کی وسعت اور اس کے اسباب اور طرز تعلیم اور اس کے انقلابات اور مختلف ملکوں کی خصوصیتوں اور تعلیم کے مذہبی و تمدنی اثر کی نسبت سے لکھا ہے، وہ نہایت ہی قابل قدر ہے۔ غرض کہ یہ مختصر رسالہ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم کے جمیع حالات کا مجموعہ اور جو کچھ کہ مسلمانوں نے تعلیم کی نسبت کیا اور جس قدر فیاضی سے روپیہ صرف کیا اور جس قدر محنت اٹھائی اور جس قدر شوق ظاہر کیا اس کو دیکھ کر تعجب آتا ہے اور جس وقت اس کا مقابلہ مسلمانوں کی موجودہ حالت سے کیا جاتا ہے تو بجز آہ سرد بھرنے کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

اخیر کو ہم ایجوکیشنل کانگریس لکھنؤ کے پریسیڈنٹ جناب منشی محمد امتیاز علی صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اس جلسہ میں ایسا عمدہ اور بے نظیر رسالہ پیش ہوا جو قومی تعلیم کو بے انتہا ہمت اور جرأت دلانے والا ہے بشرطیکہ خدا بھی ان پر مہربان ہو۔ اگر ہر جلسہ میں اسی قسم کا کوئی رسالہ پیش ہوتا رہے تو ایجوکیشنل کانگریس کے نہایت اعزاز و کامیابی کا باعث ہو۔ تمام قوم کو مولوی محمد شبلی صاحب کا شکرگذار ہونا چاہیے کہ ان کی سعی سے ایسا بے نظیر رسالہ جیسا کہ یہ ہے قوم کے ہاتھ آیا۔ (انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۱۰/ جولائی ۱۸۸۸ء)

---

## حواشی

(۱) مثال کے طور پر دیکھیے مولانا سید سلیمان ندوی، حیات شبلی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص ۱۷۱۔ ۱۷۲؛ محمد الیاس الاعظمی، آثار شبلی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء، ص ۶۶۔۷۱۔ (۲) پروفیسر ظفرالاسلام اصلاحی، علامہ شبلی کے ایام علی گڑھ کی اولین تصنیف ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم''۔ ایک تعارف، معارف شبلی نمبر، نومبر۔ دسمبر ۲۰۱۴ء، ص ۱۲۸۔۱۴۰۔ (۳) نفس مصدر۔ (۴) انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۲۱/ جولائی ۱۸۸۸ء۔ (۵) البقرہ: ۱۷۷۔

# باب التقریظ والانتقاد

## رسالوں کے خاص نمبر

**سہ ماہی المجیب (خصوصی شمارہ):** ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری، صفحات ۶۸۸، قیمت ۳۰۰/روپے، پتہ: المجیب، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار۔

پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبیہ علم و عمل کا ایک گلشن سدا بہار ہے۔ تاج العارفین حضرت مجیب اللہ قادریؒ نے قریب تین سو سال پہلے عظیم آباد کے مضافات میں علم و عرفان کی چمن بندی کی تو یہی وہ زمانہ تھا جب عروس اردو کی حنا بندی شروع ہوئی تھی، یہ برکت ہی ہے کہ خانقاہ کے سر چشمہ سے جہاں تزکیہ اخلاق کا فیضان جاری ہوا وہیں اردو کی اعلیٰ ادبی و شعری روایات کی مسلسل آبیاری ہوتی رہی۔ شاید ہی کوئی اور اس امتیاز میں خانقاہ کی مثال پیش کر سکے، المجیب پہلے ماہانہ رسالہ تھا جو قریب انیس سال تک جاری رہا، ۲۰۰۳ء میں اس کی اشاعت نو کا اہتمام کیا گیا جو سہ ماہی شکل میں تھا لیکن المجیب کی روح ہمیشہ ایک ہی رہی یعنی وہ اپنے اس مقصد میں خالص رہا کہ وہ اہل حق کا ترجمان اور امن و سلامتی کا پیامبر ہے۔ زیر نظر خاصا ضخیم شمارہ اسی سہ ماہی اشاعت نو کے دس سال مکمل ہونے پر اردو زبان و ادب میں خانقاہ مجیبیہ کی خدمات کے عنوان سے خاص کیا گیا۔ اردو زبان کی ابتدائی ترویج و ترقی میں حضرات صوفیہ کی کاوشیں، مورخین و محققین اردو کے مطالعہ کا ہمیشہ مرکز رہی ہیں، لیکن دور حاضر میں ماضی کے نقوش کی تازگی اور زندگی کا احساس اس خصوصی شمارہ سے کیا جا سکتا ہے۔ مضامین سب کے سب دلچسپ اور مفید ہیں لیکن ہمارے لیے دلچسپی ان مضامین میں زیادہ رہی جن سے یہ معلوم ہوا کہ المجیب کا نقش اول رسالہ معارف تھا ورنہ علی گڑھ کے مولوی وحیدالدین سلیم کے معارف ہی کا ذکر ہوتا ہے، پھلواری شریف کا معارف ۱۹۱۲ء میں نکلا جس کے مدیر سید مظہرالحق چشتی مجیبی تھے، یہ معارف ۱۹۱۶ء میں غروب ہوا تو اسی سال دارالمصنّفین کے مطلع پر معارف کے نمودار ہونے کو اگر ایک تسلسل کا حصہ سمجھا جائے تو یہ حیرت کی بات نہیں، کمال یہ ہے کہ معارف کے اداریوں کا مشہور عالم عنوان ''شذرات'' بھی اسی پھلواری شریف کے معارف کی

دین یا اسی کا اکتساب و اقتباس نور ہے۔شاہ ہلال احمد قادری اور ڈاکٹر مسعود انور علوی کے مضامین اس ’’سابق اول‘‘ معارف کی دلچسپ تاریخ اور اس کے مضامین کا مکمل اشاریہ ہیں ۔ ان کے علاوہ دوسرے مضامین بھی اس شمارہ کے موضوع خاص پر معلومات افزا ہیں۔

اس ضخیم شمارہ کے بعد المجیب نے شہید کربلا نمبر بھی شائع کیا، اس کی قیمت پچاس روپے ہے لیکن شاہ بدرالدین قادریؒ کے معرکہ آرا مضمون ’’مسئلہ خلافت‘‘ اور فضائل اہل بیت اور مولانا جامی کی نغمہ ریزیاں، قتل حسینؓ پر رسول اکرمؐ کا قلق و اضطراب، فضائل اہل بیتؓ جیسے مضامین سے اس کی قیمت کہیں زیادہ ہوگئی ہے۔ان کے علاوہ ماجرائے سخن کے زیر عنوان اس طرحی مشاعرہ کا پورا کلام بھی موجود ہے جس کا مصرع طرح تھا

خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا

چھبیس اصحاب ذوق کا کلام اور تضمینیں اس شعری نشست کی پاکیزگی و بلندی کا عکس جمیل ہیں، بعض تضمینوں سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

پُر الم پُر درد ہے ذکر و بیان کربلا — خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا
سرکو سودائی نہ کیوں کردے بیان کربلا — خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا
ایک اک جملہ میں پنہاں ہے فغان کربلا — خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا
اس لیے بے مثل بھی ہے زندہ جاوید بھی — خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا
کوئی بھی موسم ہو اشک سرخ رلواتی ہے یہ — خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا
شاہ آیت کا یہ مصرع خوب ہی مقبول ہے — خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا

سنجیدہ و پاکیزہ ادبی ذوق کی جلا کے لیے المجیب کو ’’قریب‘‘ کیا ہی جانا چاہیے۔

**ماہنامہ الفرقان، اشاعت خاص بعنوان ملک کا نیا منظرنامہ اور مسلمانان ہند کی حکمت عملی :** مدیر مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی، صفحات ۲۱۶، زر سالانہ ۲۰۰/ روپے۔

رسالہ الفرقان اردو کے ان سخت جاں اور صابر و ثابت قدم رسائل میں ہے جنھوں نے سرد و گرم خدا جانے کتنے موسم دیکھے، الفرقان کی عمر اب بیاسی سال کی ہوگئی ہے لیکن اس کے تیور ہمیشہ

وہی رہے جو اس کے وجود کی پہلی جھلک کے تھے، یعنی وہ جوش کارزار جو فتح کامل کی خبر دیتا ہے، غم کا کوئی عارضی منظر جس کو خوف زدہ نہ کر سکتا ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس کی آنکھوں پر اسرار حیات آشکارا ہو جائیں، شناخت کی یہ تعبیریں پہلے ہی صفحہ پر اپنا تعارف کراتی ہیں۔ یہ خاص شمارہ بھی اسی روایتی تعارف و شناخت کی ایک اور مثال ہے جس میں وقت کی ان گردشوں اور کروٹوں کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کی گئی جو حال ہی میں رونما ہوئی ہیں، ان کو ''نئے طوفان، نئے دور، نئے منظر نامہ اور بزم جہاں کے اور ہی انداز'' سے لوگوں نے جاننے اور پھر ان سے واقف کرانے کی کوشش کی ہے، یہ سامنے کی بات ہے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد اب ہندوستان میں ان افکار کو افعال میں بدلنے کا موقع ملا ہے جن سے خود ملک کا نقشہ ہی بدل سکتا ہے، فسطائیت جب بے محابا اور بے مہار ہوتی نظر آئے تو اہل نظر کا بے قرار ہونا فطری بات ہے، ہندوستان کی قسمت ایک دوراہے پر حیران و پریشان نظر آتی ہے اور یہ حیرانی و پریشانی حقیقتاً صرف اس قوم کے لیے ہے جس کو اپنے وجود اور تشخص کے تحفظ و بقا کی فکر ہے، باقی قومیں ہزاروں سال سے اپنی قسمت سے سمجھوتہ کیے ہوئے ہیں، یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اس شمارہ میں آج کی تحریروں اور نصف صدی قبل کی تحریروں میں وقت کے فاصلوں کا احساس ہی نہیں ہوتا، مولانا علی میاں ندوی، مولانا منظور نعمانی اور مولانا عبدالسلام قدوائی رحمہم اللہ کی تحریریں گویا آج ہی کے لیے ہیں، آج کے ایک مفکر کی نظر میں مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل میں ایمان کا استحکام، کردار کی بلندی، اخلاص، ایثار، تنظیم اور نئے دوستوں کی تلاش ہے، بہت پہلے مفکر اسلام نے بھی فرمایا تھا کہ ہمیں جدید ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہے، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی نے بہت پہلے لکھا تھا اور شاید یہ آج ہی کے لیے ہے کہ ''مسلمانوں کا طرز عمل اس کے برعکس ہی رہا اور مسلمانی در کتاب اور مسلمان در گور کی پرانی مثال عام طور سے صادق آتی رہی''، مولانا قدوائی نے جو لکھا اس کی معنویت اس غضب کی ہے کہ صرف یہی ایک مضمون ہی الفرقان کے مقصد کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ مضمون بھی اولاً آج سے قریب ساٹھ برس پہلے الفرقان ہی میں شائع ہوا تھا۔ الفرقان کا یہ شمارہ اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ اس میں یاد عہد رفتہ سے کہیں زیادہ، مستقبل کے اندھیروں کے لیے کچھ کرنیں ہیں جن کی چمک اور توانائی شمسی نہیں لاہوتی ہے۔

**ماہنامہ وحدت جدید (وحدت امت رسول ﷺ نمبر):** مدیر جناب عطاء الرحمٰن وجدی، صفحات ۳۱۴، قیمت ۷۵/روپے، پتہ: ایف۔۹، گراؤنڈ فلور، ابوالفضل انکلیو II، شاہین باغ، جامعہ نگر اوکھلا، نئی دہلی نمبر ۲۵۔

یہ خاص نمبر بھی اسی تشویش و اضطراب کا حصہ ہے جسے الفرقان کے اشاعت خاص میں دیکھا گیا۔ ملت کی موجودہ زبوں حالی سے جو دل تڑپتے ہیں، وہ مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کی فکر میں نئے پرانے سبھی نسخوں کو آزمانے اور آزمائے جانے کی سعی میں ہیں، یہ خاص نمبر اسی کوشش کا حصہ ہے۔ سرورق پر اقبال کے اشعار، جن سے اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی، اور وحدت مسلم کی ضرورت برائے حرم کی پاسبانی کا پیغام ملتا ہے، اسی کی تفصیل قریب تین سو صفحات میں آ گئی، ایک آموختہ ہے جو بار بار دہرایا جاتا ہے، امت کی وحدت یقیناً مطلوب و مقصود مومن ہے، اس کی راہ میں عالمی استعمار سب سے بڑی رکاوٹ ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر ''داخلی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں'' یہ بھی ہے کہ اسلام سے تعلق روایتی انداز کا ہے، فروعی و فقہی و تعبیری اختلافات فرقہ بندی کا سبب ہیں، یہ سب وحدت جدید کے لائق اہل قلم کے سامنے ہے اور یہ بھی نہیں کہ صرف شکوہ ہی شکوہ ہو، رجائیت کی کرنیں بھی ہیں، یعنی مسائل اور ان کا حل دونوں پر توجہ مرکوز ہے۔ اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

**سہ روزہ دعوت (علوم وفنون، مسلمانوں کی خدمات):** جناب پرواز رحمانی، صفحات ۱۸۲، قیمت ۵۰/روپے، پتہ: دفتر دعوت، ڈی۔۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا نئی دہلی نمبر ۲۵۔

سہ روزہ اخبار دعوت کی خوبیوں میں وقتاً فوقتاً زندہ و تازہ موضوعات پر اس کی خصوصی اشاعتیں بھی ہیں، ذمہ داران اخبار کے بقول یہ اس لیے کہ ایسے پہلوؤں پر بھی نظر پڑتی رہے جو کسی گوشہ میں الگ تھلگ سے رہتے ہیں۔ اس نمبر میں بھی کوشش کی گئی ہے کہ طب و جغرافیہ اور بعض مسلمان ماہرین کا ذکر کیا جائے، مرتبین کو یہ بھی احساس ہے کہ اس موضوع پر بہت کام ہو چکا ہے لیکن اس قصہ قدیم کی بازخوانی کی ضرورت بہرحال ہے کہ دوسروں کو حقیقت سے واقف کرانا بھی ضروری ہے۔ دعوت کی یہ کوشش مفید اور کارآمد ہے۔

ع۔ص

# مطبوعات جدیدہ

**برار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا:** از جناب آغا غیاث الرحمٰن، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۴۴۸، قیمت ۴۰۰ روپے، پتہ: ادارہ ادبیات برار، ۱۷۔گلستاں کالونی، جعفر نگر، ناگپور ۴۴۰۰۱۳، مہاراشٹر اور ناگپور کے دوسرے مکتبے۔

مختلف علاقوں، اداروں اور تنظیموں کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی خدمت اور اس کی وجہ سے اردو تہذیب کے فروغ کی داستانیں بیان کی جاتی رہی ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی پر کشش کوشش کا ایک حصہ ہے اور کہنا چاہیے کہ بہت خوبصورت حصہ ہے، ڈاکٹریٹ کے لیے لکھا گیا یہ مقالہ واقعی تحقیق، ترتیب، جامعیت، معنویت اور افادیت کے لحاظ سے دوسروں کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ کبھی کے برار اور آج کے ودربھ کی سرزمین، حسن سے زیادہ بوالعجبی کی خوبی رکھتی ہے، امراوتی، اکولہ، ایوت محل، بالاپور، ایلچپور، جلگاؤں، کھام گاؤں، بلڈانہ یعنی ناگپور سے اورنگ آباد تک خاک سیاہ کی زمین پر کپاس کے سفید بلکہ نقرئی پھولوں کا منظر اور سنگتروں کے دل فریب رنگوں کا نظارہ، دیکھنے والوں کو حیرت بھری طمانینت کا احساس دلاتا ہے۔ یہی احساس اردو زبان و ادب کی یہ تاریخ بھی عطا کرتی ہے، اردو تہذیب سے یہ خطہ پر ثروت ہوگا، اس کی بنیاد تو اسی وقت رکھ دی گئی تھی جب چوتھی صدی ہجری میں شاہ رحمٰن غازی کے مبارک وجود کو ایلچپور نے اپنی آغوش میں لیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس خطہ کی آبنوسی مٹی کا رنگ چمکتا گیا، فاضل مصنف نے جس خوبی سے ان رنگوں کو دیکھا اور چنا ہے وہ واقعی داد کے لائق ہے۔ شاعروں، ادیبوں اور محققوں میں منظور حسین شور، ڈاکٹر سید عبدالرحیم، ڈاکٹر منشاء الرحمٰن منشا، پروفیسر نور السعید اختر، ذکاء صدیقی، ڈاکٹر زینت اللہ جاوید، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، ڈاکٹر محبوب راہی، واجدہ تبسم، شیخ رحمٰن آکولوی، م۔ ناگ وغیرہ معروف اور مشہور نام ہیں، لیکن ان سے پہلے برار کے قدیم نثری و شعری ادب پر نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناموری ان کو بھی زیب تھی۔ ان سب کے تذکرہ کے علاوہ برار کی سیاسی و تمدنی و مذہبی تاریخ بھی آ گئی ہے، چار ابواب میں شاعری کے ادوار کے تحت شعرا کا مع نمونہ کلام ذکر ہے، مزاحیہ شاعری اور اردو کے ہندو شعرا کا ذکر الگ ہے، نثر میں قدیم و جدید کی تفصیل دو ابواب میں ہے، خوش نویسی اور صحافت کے لیے الگ باب ہے جو اردو صحافت کے محققین کے لیے نہایت کارآمد ہے۔ ایک اور خوبی یہ بھی ہے کہ زبان و بیان کے لحاظ سے اس کا معیار بہت بلند ہے، شروع میں ڈاکٹر سید عبدالرحیم مرحوم کا مقدمہ بھی کتاب کے وقار میں اضافہ کرتا ہے، تعارفی تحریریں اور بھی ہیں اور خوب ہیں، اچھا یہ لگا کہ فاضل مصنف نے ایسے عمدہ مقالہ کو بھی خام مواد اور نشان راہ سے منکسرانہ تعبیر کیا۔ یہ خاکساری بھی شاید برار ارض ابرار کی دین ہے۔

**نقوش پرواز :** از ڈاکٹر محمد مقیم جامعی ، متوسط تقطیع ، عمدہ کاغذ و طباعت ، مجلد ، صفحات ۲۴۶ ، قیمت ۲۸۰/روپے ، پتہ : تنویر پبلی کیشنز ، ہائیڈرو الکٹرک مشینری پریمیئرز ، اے/ ۱۳ ، رام رحیم ادیوگ نگر ، بس اسٹاپ لین ، ایل ، بی ، ایس روڈ ، سونا پور ، بھانڈپ ویسٹ ، ممبئی ۴۰۰۰۷۸۔

اعظم گڑھ کے خطہ پر فیضان تجلی کا ایک مظہر مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی مرحوم کی شخصیت بھی تھی ، مدرسۃ الاصلاح سے اٹھے ، لاہور اور دربھنگہ کی گذرگاہوں سے ہوکر بمبئی کے افق پر چمکے ، ان کی تحقیقی ، تصنیفی ، تدریسی زندگی قیام بمبئی سے عبارت ہے ، آخر عمر میں وہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کی درخواست پر دارالمصنفین تشریف لائے لیکن یہ شاید وطن کی خاک کے بلانے کا بہانہ تھا۔ دو تین سال بھی نہ گزرے تھے کہ پرواز صاحب اس جہان گزراں سے گزر گئے ، ان کے جانے کا ماتم یوں بھی ہوا کہ وہ ایک عمدہ و کہنہ مشق صاحب قلم ہی نہ تھے ، ان کی شخصیت بھی بڑی دلنواز تھی ، ایسے شریف ، مرنجاں مرنج ، سادہ لوح انسان کم ہی نظر آتے ہیں ، ان کی دو کتابیں ''مفتی صدرالدین آزردہ'' اور ''مخدوم علی مہائمی'' بہت مشہور ہیں ، ان موضوعات کے انتخاب میں خود ان کی موہنی شخصیت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ پرواز صاحب کی شاعری بھی ان کے صوفیانہ مذاق و مزاج کی ترجمان رہی ، جس شاعر کی زندگی کا حاصل غم ہستی ہو ، جس کو یہ احساس رہا ہو کہ

زمانہ مدتوں سے سن رہا تھا کہانی ہم نے خود ہی مختصر کی

حق تھا کہ ایسی شخصیت کی زندگی اور اس کی خدمات کو یاد کیا جائے ، یہ کتاب اسی ضرورت کے تحت لکھی گئی ، فاضل مصنف معروف معلم ہیں لیکن اس کتاب سے ان کی تصنیفی لیاقت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ کتابوں اور مضامین کے تعارف اور تبصرہ کے ساتھ مولانا پرواز مرحوم کے شعری سرمایہ جس کو سفینۂ نظم کے تحت پیش کیا گیا ہے ، بڑا قابل قدر ہے ، کیونکہ عام طور سے یہ میسر نہیں۔ کہیں کہیں بعض مضامین کے غیر ضروری ہونے کا احساس ہوتا ہے لیکن یہ غیر مفید بہر حال نہیں ہیں۔

**ترکی کا ایک عظیم مجاہد (غازی انور پاشا) :** ڈاکٹر اقبال احمد خاں ، متوسط تقطیع ، کاغذ و طباعت مناسب ، صفحات ۱۴۴ ، قیمت ۸۰/روپے ، پتہ : عنایت بک ڈپو ، یتیم خانہ مسلم بنات ، گیا ، بہار۔

قریب ایک صدی پہلے ہندوستان میں جن ہستیوں کا ذکر گھر گھر تھا اور جن پر ناز و فخر بھی تھا ، ان میں ترکی کے غازی انور پاشا بھی تھے ، بلقان کی جنگ کے بطل عظیم وہی تھے ، اب ترکی میں ایک صدی کے انقلابات کے بعد پھر اسی زندگی کے آثار نظر آئے تو بازی نہ پاسکنے کے باوجود سر دینے پر فخر کرنے والوں کی یاد تازہ ہوگئی ، اس چھوٹی سی کتاب بلکہ کشکول میں ویسے تو کچھ اور بھی جمع کیا گیا ہے لیکن مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور جناب ثروت صولت کی کچھ تحریریں خاص طور پر نمایاں ہیں جو ترکی اور غازی کے تعلق سے ہیں۔ مرتب نے بڑے خلوص سے اپنا مطالعہ پیش کردیا اوروں کو بھی اس سے فائدہ ہوگا۔

ع۔ص

# رسید کتب موصولہ

(۱) ارشاد التسلیم الی علوم الحدیث النبی الکریم: ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ۔ قیمت=/۲۵۰ روپے

(۲) الشیخ شبلی النعمانی واسهاماته فی ترویج اللغة العربیة وثقافتها: عظمت اللہ ندوی، دارالہدیٰ للدراسات الاسلامیہ والعربیہ، شاہین باغ، نئی دہلی۔ قیمت=/۴۰۰ روپے

(۳) انجمن اسلام اور اس کی کریمی لائبریری: شمیم طارق، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسز بلڈنگ، جے جے ہاسپٹل کارنر، ممبئی۔ قیمت=/۲۵۰ روپے

(۴) ائمہ اربعہ، حیات اور علمی و فقہی خدمات: مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، حق اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ۔ قیمت=/۴۲۵ روپے

(۵) تاریخ و تعارف مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی: شیخ اسعد اعظمی، مکتبہ الفہیم، مئوناتھ بھنجن، (یوپی)۔ قیمت=/۲۸۰ روپے

(۶) تدوین حدیث۔عہد نبویؐ تا عہد بنوعباسؓ: ڈاکٹر محمد سلیم، مکتبہ دارالکتب، دیوبند، ضلع سہارن پور (یوپی)۔ قیمت=/۲۵۰ روپے

(۷) چراغوں کی روشنی: ترتیب و تالیف محمد ارشد اعظمی بنارسی، مدرسہ عربیہ امدادیہ، مسجد نواب ٹونک، گیلٹ بازار، وارانسی (یوپی)۔ قیمت=/۱۵۰ روپے

(۸) رہنمائے طلبہ برائے ثانویہ (Secondary): تالیف انجینئر مصطفیٰ محمد طحان، ترجمہ ڈاکٹر عبدالحمید اطہر، مکتبۃ الشباب العلمیہ، ندوہ روڈ، لکھنؤ۔ قیمت=/۲۰۰ روپے

(۹) فرزند حرم۔امام شافعیؒ کے علمی سفر: ڈاکٹر اختر حسین عزمی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، اسلامک اکیڈمی، بھٹکل۔ قیمت=/۱۲۰ روپے

# تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

| | | | |
|---|---|---|---|
| سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن) | 2000/- | موازنہ انیس و دبیر | 100/- |
| سیرۃ النبیؐ | | اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر | 85/- |
| (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں) | 2200/- | سفرنامہ روم و مصر و شام | 100/- |
| علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی | | کلیات شبلی (اردو) | 180/- |
| مقدمہ سیرۃ النبیؐ | 30/- | کلیات شبلی (فارسی) | 45/- |
| الفاروق | 300/- | مقالات شبلی اول (مذہبی) | 100/- |
| الغزالی | 200/- | مرتبہ: سید سلیمان ندوی | |
| المامون | 100/- | مقالات شبلی دوم (ادبی) 〃 | 70/- |
| سیرۃ النعمان | 300/- | مقالات شبلی سوم (تعلیمی) 〃 | 80/- |
| سوانح مولانا روم | 80/- | مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) 〃 | 200/- |
| شعر العجم اول | 150/- | مقالات شبلی پنجم (سوانحی) 〃 | 150/- |
| شعر العجم دوم | 130/- | مقالات شبلی ششم (تاریخی) 〃 | 90/- |
| شعر العجم سوم | 125/- | مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) 〃 | 100/- |
| شعر العجم چہارم | 150/- | مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) 〃 | 110/- |
| شعر العجم پنجم | 120/- | خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی | 80/- |
| الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی | 350/- | انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی | 45/- |
| (محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی | | مکاتیب شبلی اول 〃 | 150/- |
| الکلام | 230/- | مکاتیب شبلی دوم 〃 | 190/- |
| علم الکلام | 180/- | شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی | 220/- |

ISSN 0974 - 7346 MA'ARIF (URDU) -PRINT
SEP 2015 Vol- 196 (3)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP- 43/016
Monthly Journal of

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)
Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org
Website: www.shibliacademy.org Fax No: 05462 - 265080
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100
(Office Mobile) 07607046300 / 09170060782

# تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن) | 2000/- |
| سیرۃ النبیؐ | |
| (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں) | 2200/- |
| علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی | |
| مقدمہ سیرۃ النبیؐ | 30/- |
| الفاروق | 300/- |
| الغزالی | 200/- |
| المامون | 100/- |
| سیرۃ النعمان | 300/- |
| سوانح مولانا روم | 80/- |
| شعر العجم اول | 150/- |
| شعر العجم دوم | 130/- |
| شعر العجم سوم | 125/- |
| شعر العجم چہارم | 150/- |
| شعر العجم پنجم | 120/- |
| الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی | 350/- |
| (محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی | |
| الکلام | 230/- |
| علم الکلام | 180/- |

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| موازنہ انیس و دبیر | 100/- |
| اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر | 85/- |
| سفرنامہ روم و مصر و شام | 100/- |
| کلیات شبلی (اردو) | 180/- |
| کلیات شبلی (فارسی) | 45/- |
| مقالات شبلی اول (مذہبی) | 100/- |
| مرتبہ: سید سلیمان ندوی | |
| مقالات شبلی دوم (ادبی) // | 70/- |
| مقالات شبلی سوم (تعلیمی) // | 80/- |
| مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) // | 200/- |
| مقالات شبلی پنجم (سوانحی) // | 150/- |
| مقالات شبلی ششم (تاریخی) // | 90/- |
| مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) // | 100/- |
| مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) // | 110/- |
| خطبات شبلی مرتبہ: عبد السلام ندوی | 80/- |
| انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی | 45/- |
| مکاتیب شبلی اول // | 150/- |
| مکاتیب شبلی دوم // | 190/- |
| شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی | 220/- |

ISSN 0974 - 7346 MA'ARIF (URDU) -PRINT
SEP 2015 Vol- 196 (3)
RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP- 43/016
Monthly Journal of
DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)
Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org
Website: www.shibliacademy.org Fax No: 05462 - 265080
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100
(Office Mobile) 07607046300 / 09170060782

## تصانیف ومطبوعات شبلی صدی تقریبات

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن) | | علامہ شبلی نعمانی | 2000/- |
| ۲۔ | شبلی کی آپ بیتی | | ڈاکٹر خالد ندیم | 325/- |
| ۳۔ | دارالمصنّفین کے سو سال | | کلیم صفات اصلاحی | 350/- |
| ۴۔ | شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات) | | مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی | 220/- |
| ۵۔ | الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی | | علامہ شبلی نعمانی<br>تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی | 350/- |
| ۶۔ | محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس | | ڈاکٹر جاوید علی خاں | 230/- |
| ۷۔ | سیرت عائشہ | (ہندی ترجمہ) | علامہ سید سلیمان ندوی | 325/- |
| ۸۔ | عرب و ہند کے تعلقات | (ہندی ترجمہ) | // // | 200/- |
| ۹۔ | خطبات مدراس | (ہندی ترجمہ) | // // | 125/- |
| ۱۰۔ | دین رحمت | (ہندی ترجمہ) | مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی | 200/- |
| ۱۱۔ | ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، اول | (ہندی ترجمہ) | سید صباح الدین عبدالرحمن | 125/- |
| ۱۲۔ | ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، دوم | (ہندی ترجمہ) | // // | 180/- |
| ۱۳۔ | ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری، سوم | (ہندی ترجمہ) | // // | 225/- |